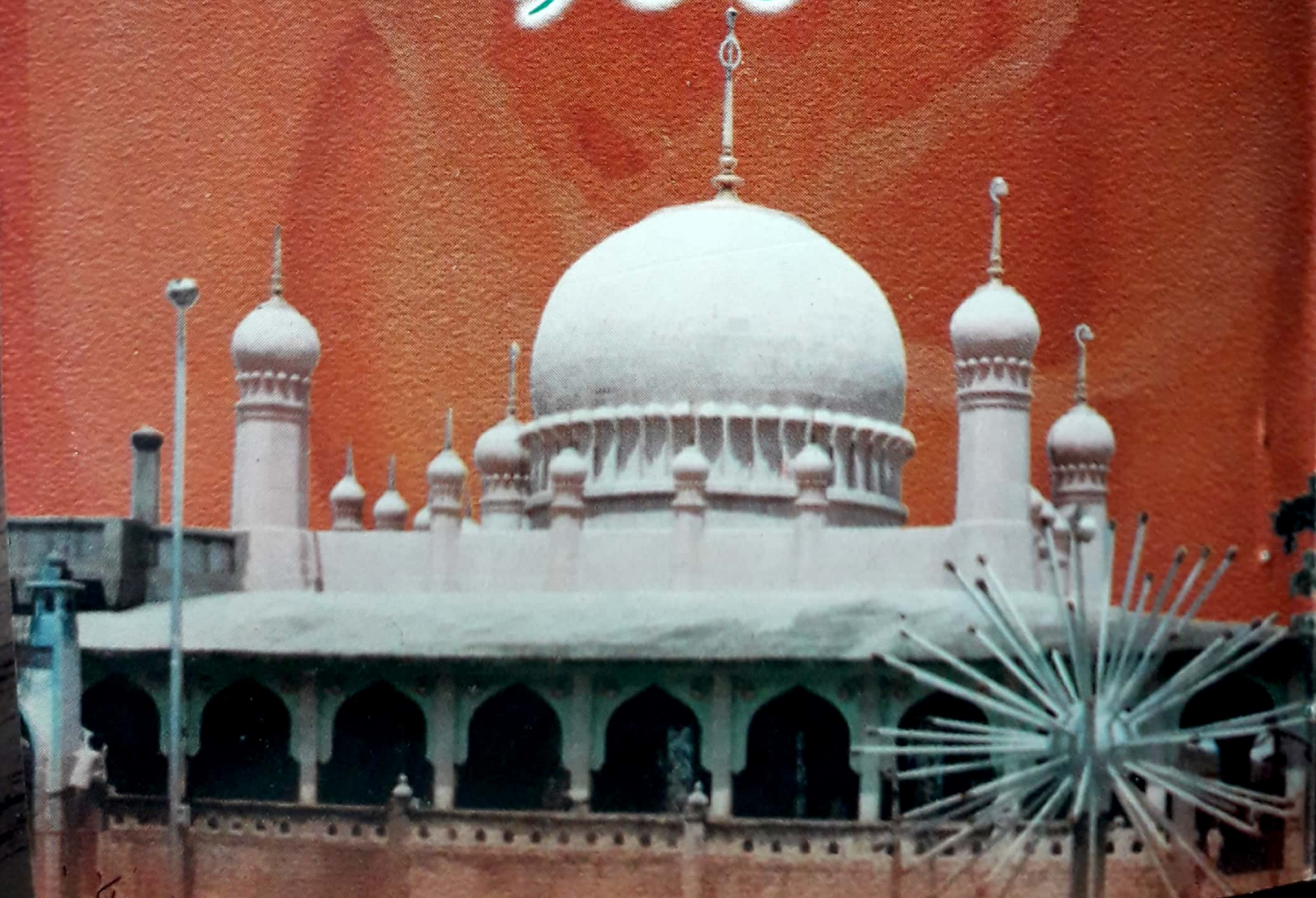
تذکرہ

بابا تاج الدین اولیاؒ

مکمل سوانح عمری



سوانح حیات

بابا تاج الدین ناگپوریؒ

محمد فیضان رضا تاجی
1-1-2021

M.9823702564

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : تذکرہ حضرت بابا تاج الدین

مولف :

موضوع : حیات و تعلیمات

تعداد طبع اوّل : 1100

سال اشاعت :

زیر نگرانی :

کتابت :

مطبع :

قیمت :

ناشر : ناشر

پیش لفظ

حضرت بابا تاج الدینؒ کا شمار ان اولیاء کرام کے زمرے میں کیا جاتا ہے جنہوں نے دین کی خدمت کی خاطر زندگی کی آسائشیں تج دیں اور حقوق العباد ادا کرنے میں ایسی مثالی زندگی گزاری جو ہر انسان کیلئے قابل تعظیم و تقلید ہے۔ وہ ہر مذہب وملت کے لوگوں سے محبت اور انسیت رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے دور میں اور ایک ایسے خطہ میں جہاں ان کی اشد ضرورت تھی دین اسلام کی وہ خدمت کی جو اپنی مثال آپ ہے۔ بابا صاحبؒ نے جس عجز وانکساری کا اپنی زندگی میں اظہار کیا وہ ایک انسان کی زندگی کی عملی زندگی کا عظیم نمونہ ہے۔ حضرت بابا تاج الدینؒ نے اپنی زندگی دین کی خدمت اور عوام الناس کو راہِ ہدایت دکھانے میں صرف کی۔ حضرت صاحبؒ کے تذکرے پر مبنی یہ کتاب مصدقہ واقعات، حالات، کرامات اور کمالات کا خزانہ ہے جس کی تیاری میں بطورِ خاص حسب ذیل اشخاص کا ممنون و متشکر ہوں۔ بابا فرید صاحب خلیفہ حضرت مسکین شاہؒ جن کی نظر کرم مجھ پر خصوصی طور پر رہی۔ جناب رحیم خاں صاحب خادم آستانہ بابا تاج الدینؒ ومالک کتب خانہ بابا تاج الدینؒ ناگپور، جناب قاری محمد میاں صاحب مدیر اعلیٰ ہفت روزہ سیکولر قیادت، نئی دہلی، جناب سید اختر الاسلام صاحب مدیر اعلیٰ میرٹھ میلہ میرٹھ، ناصر ضاحب مالک کوہ نور بیکری ناگپور اور جناب توقیر احمد قادری امروہوی جناب نواب ذیشان صاحب ان تمام حضرات کے تعاون سے یہ کتاب تیار ہو سکی۔

فہرست مضامین

۴۔ اظہار تشکر

۵۔ سلام

۷۔ پیش لفظ

۹۔ باب اول سوانح حیات

۱۷۔ باب دوئم پاگل خانے میں مستقل قیام

۲۷۔ باب سوئیم پاگل خانے سے نجات

۳۲۔ باب چہارم واکی شریف میں بابا کی کرامات

۴۱۔ باب پنجم پھر سے شکر درا کو واپسی

۴۸۔ باب ششم محیر العقل واقعات

۶۷۔ باب ششم (ب) تاج آباد کی بنیاد

۷۵۔ باب ہفتم بابا تاج الدین کا سوگ

۸۰۔ باب ہشتم حضرت تاج الدینؒ سے فیض یافتگان

۱۳۰۔ باب نہم بابا تاج الدین کے کشف و کرامات

۱۵۷۔ باب دہم شعر و شاعری

سلامِ عقیدت

بحضور تاج الاولیاء تاج الملت والدین سیدنا حضرت بابا تاج الدین
تاج والے رحمۃ اللہ علیہ تاج آباد شریف - ناگپور (مہاراشٹر)

مرتبہ: سید فرید مسکینی سکندرآباد (یو-پی)

تاج والے کی عظمت پہ لاکھوں سلام
تاجِ دیں تاجِ ملت پہ لاکھوں سلام

جو سراجُ منیرا کی تفسیر ہے
ایسے برجِ ولایت پہ لاکھوں سلام

دشتِ وا کی کو رشکِ ارم کر دیا
ان کے قدموں کی برکت پہ لاکھوں سلام

جن کی ٹھوکر نے مُردوں کو دی زندگی
ان کی شانِ کرامت پہ لاکھوں سلام

ان کے بابا علیؓ اور نانا نبیؐ
ایسی شانِ قرابت پہ لاکھوں سلام

جس کے دیدار سے یاد آئے خدا
ایسی نورانی تربت پہ لاکھوں سلام

تاجیہ سلسلہ سے جو منسوب ہیں
اُن غلاموں کی قسمت پہ لاکھوں سلام

جن کے درکار ہے منگتا فریدِ حزیں
ان کے دستِ سخاوت پہ لاکھوں سلام

تاج والے کی عظمت پہ لاکھوں سلام
تاجِ دیں تاجِ ملّت پہ لاکھوں سلام

مُردہ دل جس کی تعلیم سے جی اُٹھے
اُس امیرِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

غوثؒ و خواجہؒ و صابرؒ کے نورِ نظر
تیری پاکیزہ نسبت پہ لاکھوں سلام

جس کے ادنیٰ اشارے سے بگڑی بنے
ایسی چشمِ عنایت پہ لاکھوں سلام

رات دن رحمتوں کی ہو بارش جہاں
ایسے در کی زیارت پہ لاکھوں سلام

ان کا لنگر بنانے میں کام آئے جو
ایسے ماں ایسی دولت پہ لاکھوں سلام

سب کو ملتی ہیں در سے مرادیں ترے
چشمۂ فیضِ قدرت پہ لاکھوں سلام

عاشقوں کا ہجوم ان کے دربار میں
ایسی شان اور شوکت پہ لاکھوں سلام

اک نظر سے بدل ڈالے بگڑے مزاج
ایسی تبلیغ و دعوت پہ لاکھوں سلام

عاصیوں پر بھی ان کا ہے لطف و کرم
ایسے انداز شفقت پہ لاکھوں سلام

ساتھ ایمان کے جس نے دیکھا انہیں
اس کی چشمِ بصیرت پہ لاکھوں سلام

جن کے در کا رہے منگتا فریدِ حزیں
اُن کے دستِ سخاوت پہ لاکھوں سلام

حضرت بابا تاج الدین اولیاء

کی

سوانح حیات، کرامات، فیوض و برکات

پیش لفظ

ہندوستان یوں تو ہمیشہ ہی صوفیوں اور سنتوں کا دیش رہا ہے۔ روحانیت اور رہبانیت یہاں کے خمیر میں خوب اچھی بستی ہے۔ ان صوفی سنتوں نے یہاں کے رہنے والوں کو ہمیشہ اپنے فیوض و برکات سے نوازا ہے اور ان سے ایسی کرامات سرزد ہوئی ہیں جنھیں دیکھ کر اہل دنیا دنگ رہ گئے ہیں۔ موجودہ دور میں بھی ایسے بہت سے صاحب کرامات بزرگ ہوئے ہیں۔ انیسویں صدی کا نصف آخر ہندوستان کے لئے بہت سخت دور تھا اسی عرصہ میں یہاں انگریزوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی جنگ آزادی ناکام ہو چکی تھی۔ ٹھیک اس کے چار سال بعد جنوبی ہند میں ایک بزرگ کی پیدائش ہوئی جنھوں نے انگریزوں کو بھی دنگ کر دیا۔ انہی بزرگ نے ہندوستان کی انگریزوں سے رہائی کی پیشین گوئی بھی کی تھی۔

دین اسلام کی جو خدمت ہندوستان میں اولیاء کرام نے کی ہے وہ انتہائی منفرد انداز میں عوام الناس میں گھر کر گئی اور جہاں لاکھوں افراد کو

صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا ہوئی وہاں دلوں میں اولیاء کرام کے لئے ایک جذبہ شکر بھی پیدا ہوا جو اپنی نظیر آپ بن گیا۔ برصغیر پر نظر ڈالیں تو ایسے متعدد اسلامی مراکز نظروں کے سامنے آتے ہیں جہاں پر روزانہ ہزاروں عقیدت مند حاضری دیتے ہیں اور ان بزرگانِ دین کی عظیم خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے مسلمانوں میں حکماء، اولیاء کرام کو اس خاص جماعت کا حصہ بنایا جن کے لئے خود کتاب اللہ میں ہدایت آئی۔ "یہ منتخب افراد دین کی خدمت میں پیش پیش ہیں۔"

حضرت بابا تاج الدینؒ کا شمار بھی ان اولیاء کرام کے زمرے میں آتا ہے جنھوں نے دین کی خدمت کی خاطر زندگی کی آسائشیں تج دیں اور جنھوں نے حقوق العباد کے ادا کرنے میں ایک ایسی مثالی زندگی گزاری جو ہر مسلمان کے لئے قابل تعظیم و تکریم ہے۔

حضرت بابا تاج الدینؒ نے اپنے دور میں اور ایک ایسے خطہ میں جہاں اس کی اشد ضرورت تھی دین اسلام کی وہ خدمت کی جو اپنی مثال آپ ہے۔ بابا صاحبؒ نے جس عجز و انکساری کا اپنی زندگی میں ہمیشہ اظہار کیا وہ ایک مسلمان کی زندگی کا عظیم نمونہ ہے۔ حضرت بابا تاج الدینؒ نے اپنی زندگی دین کی خدمت اور عوام الناس کو راہِ ہدایت دکھانے پر صرف کر دی۔ حضرت بابا صاحبؒ کے تذکرے پر مبنی یہ کتاب مصدقہ واقعات و حالات کا خزانہ ہے اور اسی لئے خدا کی ذات سے توقع ہے کہ بابا تاج الدین کے معتقدین اس کا خیر مقدم کریں گے۔

افضال عباسی

تاج الاولیاء حضرت بابا تاج الدینؒ

باب اول

سوانح حیات

پیدائش: حضور سیدنا باباتاج الدینؒ کی پیدائش ۲۱؍ جنوری ۱۸۶۱ء مطابق ۵؍ رجب ۱۲۷۹ھ بروز پیر ناگ پور کے قریب کامٹی میں ہوئی جو ناگپور سے پندہ کلو میٹر کے فاصلہ پر آباد ہے۔ ان دنوں کامٹی میں انگریزی فوج کی چھاؤنی ہوا کرتی تھی۔ آپ کے والد سید بدرالدین فوج میں صوبیدار تھے۔ پیدائش کے وقت عام طور سے بچے روتے ہوئے پیدا ہوا کرتے ہیں مگر بابا پیدائش کے بعد بھی خاموش رہے۔ وہاں موجود عورتوں نے سمجھا کہ بچہ مردہ پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ ان کو رُلانے کے لئے طرح طرح کی ترکیبیں کی گئیں۔ ان کی پیشانی اور رانوں پر داغ دیئے گئے تب آپ تھوڑا رو کر پھر چپ ہو گئے یہ داغ آپ کے جسم مبارک پر آخیر تک نمایاں رہے۔

نسب: آپکا سلسلۂ نسب سیدنا امام حسن عسکریؒ سے ملتا ہے۔ حضرت امام حسن عسکریؒ کے پوتے سید عبداللہ عرب سے آکر مدراس (اب چینئی) میں مقیم ہوئے اور آپ کی اولاد مدراس اور اطراف مدراس میں پھیلی۔

حضرت باباتاج الدینؒ کے آباؤ اجداد کولار میں بس گئے۔ آپ ہی

کے خاندان کی وجہ سے یہ علاقہ کولار شریف کہلاتا ہے۔ اس خاندان میں کئی بزرگ ولی کامل ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار ملازمت کے سلسلہ سے کامٹی میں آکر آباد ہوگئے تھے۔

آپ کی والدہ ماجدہ کریم بی صاحبہ مدراسی پلٹن کے صوبیدار شیخ میراثی صاحب کی صاحبزادی تھیں۔ مشہور ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ بھی پیدائش کے وقت نہیں روئی تھیں اس لئے انھیں مردہ سمجھ کر گھورے پر ڈال دیا گیا تھا۔ اسی لئے انھیں گھورن بی کہتے تھے۔

حضرت بابا ؒ کا بچپن: حضرت باباتاج الدینؒ بچپن ہی میں اپنے والدین کے سایہ سے محروم ہوگئے تھے۔ ایک سال کے تھے جب ان کے والد کی وفات ہوگئی اور پھر نو سال کی عمر میں والدہ ماجدہ کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوگئے۔ آپ کی پرورش آپ کی نانی صاحبہ نے کی۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ تو لوگ آپ کو شیخ صدیقی کہتے ہیں کیونکہ آپ کے نانا شیخ میراں صاحب شیخ صدیقی تھے۔

حضرت بابا صاحبؒ کی تعلیم: آپ کی ابتدائی تعلیم کامٹی کے مدرسہ میں ہوئی۔ پندرہ سال کی عمر تک آپ نے اردو، عربی، فارسی اور انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔ طالب علمی کے زمانہ میں ہی ایک دن مدرسہ میں کامٹی کے مشہور صوفی بزرگ حضرت عبداللہ شاہ صاحب تشریف لائے۔ آپ نے حضرت باباصاحب کو دیکھا اور مولانا سے فرمایا۔

"تو اسے کیا پڑھاتا ہے یہ تو ازل ہی سے سب کچھ پڑھ کر آیا ہے۔"

اس واقعہ نے حضرت باباصاحبؒ کی زندگی کا رخ ہی موڑ دیا۔ مولانا حضرت شاہ صاحب سے واقف تھے اور انھیں صاحب کشف بزرگ کی حیثیت سے جانتے تھے۔ شاہ صاحب دھیرے دھیرے باباصاحب کے پاس آئے۔ اپنی جھولی میں سے ایک چھوارہ نکالا۔ آدھا خود کھایا اور آدھا بابا صاحب کو دیا۔ انھوں نے بے جھجک آپ کا جھوٹا چھوارہ کھالیا۔ تب شاہ صاحب نے انھیں سبق دیا "کم کھاؤ، کم سوؤ اور کم بولو، قرآن شریف کی تلاوت اس طرح کرو جیسے رسول اکرمؐ خود کرتے تھے۔" چھوارہ کھاتے ہی بابا صاحبؒ کی حالت بدل گئی۔ بے ساختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ تین دن تک آپ کا یہی حال رہا۔ رقت طاری ہو گئی اور دنیا کی ناپائداری اور بے ثباتی کا احساس ہونے لگا۔ اس کے بعد آپ نے دوسرے بچوں کی طرح کھیلنا کودنا بند کر دیا۔ خلوت پسند ہو گئے اور اپنا زیادہ تر وقت پڑھنے اور فکر کرنے میں گزارنے لگے۔ عربی، فارسی کے شاعروں اور صوفیوں کا کلام زیر مطالعہ رہتا تھا۔ مولانا روم اور حافظ شیرازی کے اشعار اکثر زبان پر رہنے لگے۔ اس طرح نہایت خلوص کے ساتھ آپ پڑھنے اور ظاہری علوم حاصل کرنے میں لگے رہے۔ وہ نہ صرف نصاب کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے بلکہ خارج میں بھی بہت کچھ سیکھ رہے تھے۔ آپؒ کھلے دل اور دماغ سے سچی انسانیت کا سبق پڑھ رہے تھے۔ وہ ہندو اور مسلمان میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی اور پارسی، دلت پست، نیچے ان کی نظر میں یکساں تھے۔ صحیح معنی میں وہ انسانیت کے مبلغ اور امین

تھے اور انسانیت کا سبق پڑھانے ہی کیلئے اس سرزمین پر تشریف لائے تھے۔

جوانی: ۱۸۷۹ء میں کنہان ندی میں پانی بڑھ جانے سے کامٹی میں سیلاب آگیا اور تقریباً آدھی آبادی تباہی کی چپیٹ میں آگئی۔ بہت سے مکان بہہ گئے۔ اس میں باباصاحبؒ کے نانا کا مکان بھی تھا۔ اس لئے ان کے ماموں عبدالرحمٰن صاحب کو ملازمت کرنی پڑی۔ اس وقت باباصاحبؒ کی عمر ۱۸ سال تھی۔ ان کے ماموں صاحب نے انھیں فوج میں بھرتی ہونے کی صلاح دی مگر نانی کی محبت آڑے آئی اور آپ فوج میں جاتے جاتے رک گئے۔ دو سال تک آپ مزید ملازمت سے دور رہے لیکن ۱۸۸۱ء میں جب آپ کی عمر ۲۰ سال تھی آپ فوج میں بھرتی ہوگئے۔ اس کے لئے آپ نے بڑی مشکل سے نانی صاحبہ کو راضی کیا۔ آپ کا اونچا قد، مضبوط جسم اور عمدہ صحت فوج میں بھرتی ہونے کے لئے معاون ثابت ہوئے۔ آپ ناگپور کی رجمنٹ ۱۳ میں سپاہی کے طور پر بھرتی ہوئے۔

۱۸۸۴ء میں آپ کی رجمنٹ ساگر کے لئے روانہ ہوئی اور کافی عرصہ تک وہیں قیام رہا۔ فوج کے ساتھ باباصاحب نے کئی ممالک کا سفر کیا۔ فرانس کے دورے کے بعد باباصاحبؒ کی رجمنٹ نے حیدرآباد دکن میں ڈیرا ڈال دیا۔ یہاں ایک امریکی افسر مسٹر بنیس کو باباصاحبؒ نے قرآن شریف کی تعلیم دی۔ یہیں ایک دوسرے فوجی افسر مسٹر ولیم نے باباصاحب سے روحانی تعلیم حاصل کی۔ بعد میں وہ کلکتہ چلے گئے اور بقیہ زندگی ایک قبرستان میں گزار دی۔

آپ نماز کے اس قدر پابند تھے کہ نماز کے مقابلہ میں کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ فوج کی ملازمت کے دوران بھی باباصاحبؒ ہمیشہ نماز اور ریاضت میں پابندی کرتے تھے اور اس میں کبھی ناغہ نہیں ہونے دیتے تھے۔ ان کی روزمرہ کی زندگی میں ایک نظم تھا۔ اپنے فوجی کاموں سے فارغ ہو کر باباصاحب حضرت داؤد مکّی صاحب کی درگاہ پر چلے جاتے تھے اور راتوں کو مجاہدہ کرتے تھے۔ اکثر راتوں کو آپ وہیں رک جاتے اور ساری رات ریاضت میں مصروف رہتے۔ آپ کی نانی صاحبہ کو جب یہ خبر ملی تو آپ بہت پریشان ہوئیں کہ کہیں میرا نواسہ بگڑ تو نہیں گیا اور بُری صحبتوں میں تو نہیں پھنس گیا۔ اسی لئے ایک رات آپ کا پیچھا کرتی ہوئی درگاہ تک پہنچ گئیں۔ آپ کو عبادت میں مشغول دیکھ کر واپس لوٹ آئیں اور نواسہ کو بہت سی دعائیں دیں۔ جب صبح کو حضور باباصاحبؒ درگاہ سے واپس آئے تو نانی صاحبہ نے ناشتہ کے لئے کہا تو اپنے ہاتھ کے پتھر دکھا کر کہا "نانی اماں میں تو یہ لڈو پیڑے کھاتا ہوں۔ آپ میرے لئے ناشتہ کی فکر نہ کریں۔

اس طرح جب تک آپ ساگر میں مقیم رہے آپ معمول کے مطابق حضرت داؤد مکّی صاحب کی درگاہ میں جاتے رہے اور عبادت و ریاضت میں مصروف رہے۔ رفتہ رفتہ آپ پر جذب طاری ہونے لگا اور ملازمت سے دل اوب گیا۔ آپ اپنے فوجی افسر کے پاس پہنچے اور ملازمت سے سبکدوش ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ صوبیدار نے کہا کہ آپ کی ترقی ہونے والی ہے۔ ایسے میں ملازمت سے سبکدوش ہونا مناسب نہیں۔ آپ

نے فرمایا کہ میری جو ترقی ہونے والی ہے وہ تو مجھے مل گئی آپ کس ترقی کی بات کرتے ہیں؟ آپ نے وردی اتار کر رکھ دی اور فوجی احاطہ سے باہر آگئے۔ اس وقت آپ کے جسم پر ٹاٹ کا جبہ تھا۔ فوجی افسر نے سمجھا یہ پاگل ہو گئے ہیں اس لئے اس نے سب کو خبر دی۔ آپ کے ماموں عبدالرحمٰن کے سسر ظہور بیگ اسی پلاٹون میں تھے انھوں نے آپ کی نانی کو فوراً کامٹی میں اطلاع بھجوائی اور ممتا کی ماری نانی فوراً دوڑی چلی آئیں۔

نانی نے ساگر میں آکر نواسہ کو جس حال میں دیکھا اس سے انھیں بہت تکلیف پہنچی۔ باباصاحبؒ اپنے تن بدن کا ہوش بھلائے ساگر کے گلی کوچوں میں خاک چھان رہے تھے۔ انھیں نہ تو کپڑوں کا ہوش تھا اور نہ کھانے کا خیال۔ بس گھومے جا رہے تھے جیسے کسی چیز کی تلاش ہو کبھی جنگل کی طرف منھ اُٹھ جاتا تو کبھی کسی پیڑ کے نیچے گھنٹوں مراقبہ میں بیٹھے رہتے۔ نانی نے سمجھا یہ تو بالکل پاگل ہو گئے ہیں اس لئے انھیں کامٹی لے آئیں۔ یہ ۱۸۸۷ء کی بات ہے۔

نانی کے دل میں باباصاحبؒ کے پاگل ہونے کی بات بیٹھ گئی تھی اور وہ ان کا علاج کرانا چاہتی تھیں۔ بڑے بڑے حکیم اور وید بلائے گئے لیکن سب بیکار گیا اور مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

علاج کے بعد تعویز گنڈے۔ بھلا اس عاشق کا کیا علاج کر سکتے تھے جس نے یہ روگ خود لگایا تھا۔ اب وہ معمولی انسان نہیں رہے تھے جس پر دواؤں یا دعاؤں کا اثر ہوتا۔ اب باباصاحب پوری طرح مجذوب ہو چکے تھے جنھیں دنیا

سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ بس اللہ ہی اللہ ہوتا ہے اور اس کے عشق کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اس طرح بابا اکثر بھوکے پیاسے کبھی دھوپ میں کھڑے رہتے اور کبھی گلی کوچوں میں گھومتے دکھائی دیتے۔ اس رمز سے ناواقف اور بیوقوف لوگ انھیں پاگل کہنے لگے۔

کامٹی میں بچوں کے گروہ بابا کے پیچھے جھنڈ بنا کر گھومتے اور پتھر مارتے تھے لیکن باباصاحبؒ کبھی ان پر ناراض نہیں ہوتے تھے۔ وہ ہنستے رہتے اور پتھروں کو اکٹھا کر لیتے تھے۔ اگر کوئی بڑی عمر کا آدمی بچوں کو روکتا تو بابا اس پر ناراض ہوتے۔

اسی بیچ باباصاحبؒ کی نانی کا انتقال ہو گیا۔ اب ان کے ماموں عبدالرحمٰن ہی ان کے سرپرست بنے۔ وہ محکمہ جنگلات میں ملازم تھے اور چاندا میں تعینات تھے۔ وہ کامٹی آکر باباصاحب کو اپنے ساتھ چاندا لے گئے۔ وہاں جنگلی قبائل اور جادو ٹونا کرنے والے بڑی تعداد میں رہتے تھے۔ ان کے ماموں نے ان لوگوں سے بھی علاج کرایا۔ مگر سب بے سود رہا۔ بابا صاحب کا مرض تو لاعلاج تھا۔ بھلا ان کا علاج کون کر سکتا تھا۔ سچے عاشق کے دردِ نہاں کا علاج تو محبوب کا دیدار ہوا کرتا ہے۔

باباصاحب چاندا کے گھنے جنگلوں میں گھومتے رہتے۔ کبھی چاندا کے قدیم قلعہ کے کھنڈروں میں یا کسی برج کے نیچے مراقبہ میں بیٹھ جاتے۔ انھیں نہ کھانے کا ہوش تھا اور نہ کپڑوں کی ضرورت۔ جاڑا، گرمی یا برسات ان پر کوئی اثر نہیں کرتے تھے۔ ہار کر ماموں صاحب پھر انھیں کامٹی میں

چھوڑ گئے۔

اب کا مٹی میں کوئی بھی ان کی دیکھ بھال کرنے والا نہیں تھا۔ اس لئے باباصاحب سڑکوں پر آزاد گھومتے تھے۔ کبھی کسی پل کے نیچے اور کبھی کسی کھنڈر میں پڑے رہتے۔ کئی کئی دن تک کھانا نہیں کھاتے تھے۔ اگر کسی نے کھانے کے لئے کچھ دے دیا تو کتوں کو کھلا دیتے تھے۔ تن پر کوئی کپڑا نہ ہوتا۔ بالکل برہنہ رہتے۔ اسی حالت میں چار سال گزر گئے۔ ان چار سالوں کے دوران آپ سے بہت سے کرامتیں ظہور میں آئیں۔ لوگوں میں یقین بیٹھ گیا کہ آپ ولی ہیں۔

ایک دن آپ بازار سے گزر رہے تھے۔ راستہ میں ایک سنار کا مکان پڑا۔ بابا نے کہا "بابو مکان خالی کردے۔" سنار آپ کا عقیدت مند تھا۔ اس نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور مکان کو خالی کر دیا۔ اسی رات مکان میں آگ لگ گئی اور سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا۔ دوسرے دن جب سنار نے اپنے گھر کو دیکھا تو کانپ کر رہ گیا۔ بابا کی عزت اس کی نگاہ میں اور بڑھ گئی۔ بے ساختہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ بابا کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔

ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک پلیا کے نیچے بابا کو پالیا اور دوڑ کر قدموں میں گر پڑا۔ باباصاحب نے اسے اور اس کے خاندان کو آفت ناگہانی سے بچالیا تھا۔ اب تو بابا کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور سینکڑوں ضرورت مند بابا کے پاس آنے لگے۔ ہر وقت لوگوں کی بھیڑ گھیرے رہتی تھی۔

باب ۲

پاگل خانہ میں مستقل قیام

حضور بابا صاحب ضرورت مندوں اور عقیدت مندوں کی روز افزوں بھیڑ سے گھبرانے لگے۔ اب کامٹی میں آپ کے لئے کوئی گوشۂ تنہائی نہ تھا۔ آپکی ریاضت میں بھی خلل پڑنے لگا۔ آپ کو تنہائی کی ضرورت تھی آخر ایک ترکیب سوچی۔ آپ نے فرمایا ہم پاگل خانہ جائیں گے۔

دوسرے ہی دن بابا لیڈیز کلب جا پہنچے جہاں کچھ یورپین عورتیں ٹینس کھیل رہی تھیں۔ حضور بابا بالکل برہنہ ان عورتوں کے بیچ جا کھڑے ہوئے۔ انگریز عورتوں میں کہرام مچ گیا اور انھوں نے پولیس کو بلا کر بابا صاحب کو اس کے حوالے کر دیا اور پاگل خانہ بھجوادیا۔ آپ کی دلی مراد پوری ہوئی۔ آپ پولیس کی مار کھا کر ہنستے رہے اور فرمانے لگے۔ "ہو جی، ہم پاگل خانہ جائیں گے۔" اس طرح ایک ولی پاگل بن کر پاگل خانہ میں پہنچ گیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۱ سال تھی۔ اس طرح یہ واقعہ ۱۸۹۲ء میں پیش آیا۔ پاگل خانہ کے رجسٹر میں آپ کی عمر ۳۱ سال پانچ مہینے ۷ دن درج ہے۔ وہ تاریخ ۲۷/ اگست ۱۸۹۲ء اور دن جمعرات تھا۔

حالت جذب بھی ایک طرح کا پاگل پن ہے۔ دنیا والے ولیوں کو

ہمیشہ پاگل ہی کہتے آئے ہیں۔ حالانکہ وہ اللہ کے عشق میں اپنے آپ سے بھی غافل ہو جاتے ہیں۔ پاگل خانہ میں آپ کو تنہائی میّسر تھی اور آپ زیادہ تر عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ اس طرح سولہ سال آپ نے پاگل خانہ میں کاٹ دیئے۔ ان سولہ سال کے دوران عجیب و غریب واقعات رونما ہوئے۔

۲۷/ اگست ۱۸۹۲ء کو آپ پاگل خانہ میں داخل ہوئے تھے لیکن اسی دن آپ کامٹی میں گھومتے ہوئے دیکھے گئے۔ جبکہ ناگپور سے کامٹی کافی دور ہے۔ پاگل خانہ کے انگریز افسر کا اردلی بازار سے سودا خریدنے آیا تھا۔ اس نے باباصاحب کو حیرت سے دیکھا اور واپس لوٹ کر اپنے افسر کو خبر دی۔ یہ وہی فوجی افسر تھا جو مجسٹریٹ کے حکم سے بابا کو پاگل خانہ پہنچا کر آیا تھا۔ خبر ملتے ہی انگریز افسر غصہ سے پاگل ہو اٹھا اور فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر بازار پہنچا جہاں باباصاحب ایک درخت کے نیچے دھونی جمائے بیٹھے تھے۔ افسر غصہ سے پاگل ہو اٹھا اور گھوڑا دوڑا کر ناگپور پہنچا اور جاتے ہی ڈاکٹر پر گرم ہو کر دریافت کیا۔ "میں جو پاگل کل پہونچا گیا تھا کہاں ہے؟" ڈاکٹر سٹپٹا گیا اور کہا کہ وہ اپنی کوٹھری میں بند ہے۔ دونوں جلدی جلدی اس کوٹھری پر پہنچے جہاں بابا بند تھے۔ افسر نے حیرت سے دیکھا کہ بابا ٹھیک اسی حالت میں کوٹھری میں بیٹھے تھے جس حالت میں اس نے انہیں درخت کے نیچے بیٹھے کامٹی میں دیکھا تھا۔ افسر کے دل میں باباحضور سے بے پناہ عقیدت پیدا ہوئی اور وہ ہر اتوار کو بابا کے دیدار کے لئے معہ بال بچوں کے آنے لگا۔

ادھر بابا کا کامٹی میں دیدار عام بات ہو گئی۔ کبھی کسی عقیدت مند کے دروازہ پر کھڑے نظر آتے اور کبھی کسی پیڑ کے نیچے دھونی رمائے بیٹھے ہوتے۔

پاگل خانہ کے انچارج ڈاکٹر عبدالمجید خاں تھے۔ ایک رات انھوں نے بابا کو پاگل خانہ میں ٹہلتے ہوئے پایا تو چوکیدار پر بہت خفا ہوئے کہ تم نے کوٹھری کو بند کیوں نہیں کیا۔ چوکیدار نے ڈاکٹر صاحب کو لے جا کر دکھا دیا۔ کوٹھری کا تالہ لگا تھا اور بابا اس میں بند تھے۔ ڈاکٹر صاحب حیران ہو کر کبھی تالہ دیکھتے اور کبھی بابا صاحب کو۔ اتنے میں اندر سے بابا صاحب بولے۔ "کیا دیکھتا ہے؟ ہوا تو ہے آتی ہے اور جاتی بھی ہے۔"

ڈاکٹر صاحب قائل ہو گئے اور ان کے دل میں بھی بے پناہ عقیدت پیدا ہو گئی اور وہ بھی بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔

ایک دن ایک پاگل کسی طرح چوکیدار کی نظر بچا کر نکل بھاگا۔ فرار پاگل کی بہت تلاش کی گئی مگر وہ نہیں ملا۔ ڈاکٹر عبدالمجید خاں بہت پریشان تھے۔ بابا صاحب نے فرمایا "فکر مت کرو۔ صبح تک پاگل خود بخود آ جائے گا۔" دوسرے ہی دن وہ پاگل صبح ہی صبح پاگل خانہ کے دروازہ پر کھڑا پایا گیا۔ کرمچاری پکڑ کر اندر لے آئے۔ ڈاکٹر عبدالمجید خاں نے دریافت کیا "تم کہاں تھے؟" پاگل بولا "ہم اپنے گھر جا رہے تھے۔ راستے میں تاج الدین بھائی ملے اور وہ ہمیں یہاں لے آئے۔ میں دروازے پر انہیں کا انتظار کر رہا تھا۔ اب آپ کے کرمچاری پکڑ کر اندر لے آئے۔"

ڈاکٹر عبد المجید خاں ان کے سچے عقیدت مند بن گئے اور اپنے ذاتی معاملات میں بھی بابا صاحب سے مشورہ لینے لگے۔

ایک بار ڈاکٹر صاحب کو کسی کام سے ممبئی جانا تھا۔ وہ بابا صاحب کے پاس آئے اور ممبئی جانے کی اجازت مانگی۔ بابا صاحب خاموش رہے۔ دوسری بار ڈاکٹر صاحب نے وہی الفاظ دہرائے مگر بابا صاحب پھر خاموش رہے۔ لیکن جب تیسری بار انھوں نے وہی بات کہی تو بابا صاحب بولے میری بات نہیں مانتے تو جاؤ۔ ساتھ ہی بابا نے جھاڑ کا ایک پتا توڑ کر ڈاکٹر صاحب کو دیدیا جو انھوں نے بڑی عقیدت کے ساتھ اپنی جیب میں رکھ لیا اور سفر پر روانہ ہو گئے۔

بھساول کے اسٹیشن پر ڈاکٹر صاحب کسی کام سے ریل سے اترے اور جلدی میں لائن کراس کرنے لگے۔ اتفاقاً ایک تیز رفتار انجن اسی لائن پر آگیا۔ ڈاکٹر صاحب موت کے خوف سے بے ہوش ہو گئے۔ تب انجن اچانک ان کے پاس آکر رک گیا۔ ڈرائیور اور فائر مین انجن سے اتر کر ان کے پاس آئے اور بولے۔ "آپ ضرور کوئی مہاتما یا ولی ہیں؟ تب ہی تو انجن بغیر بریک لگائے رک گیا۔" ڈاکٹر صاحب نے کہا "میں کوئی ولی یا مہاتما نہیں ہوں میں تو ایک ولی کا ادنیٰ خادم ہوں۔" اور ڈاکٹر صاحب نے اجازت مانگنے سے لے کر اب تک کا قصہ سنایا تو سیکڑوں لوگ بابا کے معتقد ہو گئے اور ان سے دعا کرانے کیلئے پاگل خانہ میں آنے لگے۔ ہر وقت پاگل خانے میں بھیڑ رہنے لگی۔ جو لوگ بابا صاحب کے پاس آتے تھے اپنی مرادیں پاتے تھے۔ اللہ

بابا صاحب کی سفارش پر ان کی جھولی کو ہر مراد سے بھر دیتا تھا۔ لوگوں کا جمگھٹ دن بدن پاگل خانہ کی طرف بڑھنے لگا۔

سید عبدالوہاب پوسٹ آفس ناگپور میں ملازمت کے خواہاں تھے اور اس کے لئے ڈاکٹر سرٹیفکیٹ لینے کے لئے میڈیکل آفیسر کے سامنے حاضر ہونا تھا۔ وہ میڈیکل آفیسر کے معائنہ سے گھبرائے ہوئے تھے کیونکہ انھیں خارش تھی اور جسم پر پھوڑے بنے ہوئے تھے۔ ان کے دوست عبدالمجید نے حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا۔ سید عبدالوہاب صاحب اپنے سالے کو ہمراہ لے کر پاگل خانہ میں پہنچے۔ چوکیدار نے باباصاحبؒ کی خدمت میں پہنچادیا۔ باباصاحبؒ انھیں دیکھ کر بولے۔ "آؤ مدراسی بھائی۔ دفتر لے کر آئے ہیں۔ دفتر لے کر جائیں گے۔ عبدالوہاب مدراسی تھے اور باباکا تعلق بھی مدراس سے تھا اس لئے بابا کے منھ سے اپنے لئے یہ الفاظ سن کر ان کو حیرت ہوئی۔ بابانے حکم دیا "پیر دباؤ۔" سید عبدالوہاب نے عقیدت کے ساتھ حکم کی تعمیل کی۔ تھوڑا ہی وقت گذرا تھا کہ بابا صاحب کا جسم سرد پڑنے لگا۔ نبض غائب ہو گئی اور بابا صاحب بے ہوش ہو گئے۔ عبدالوہاب گھبرا کر آواز دینے ہی والے تھے کہ باباصاحب نے آنکھیں کھول دیں اور اٹھ بیٹھے۔

اٹھنے کے بعد بابا نے فرمایا "جاکر آؤ حضرت انگریز کیا کرے گا؟" چوکیدار نے بتایا کہ آپ کا کام بن گیا۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔ یہ سن کر عبدالوہاب مطمئن ہو کر واپس لوٹ آئے۔

دوسرے دن عبدالوہاب کا معائنہ کرنے سے پہلے ہی کسی کام سے میڈیکل آفیسر چلا گیا اور بغیر دیکھے ہی سارٹیفکیٹ دے دیا اور سید عبدالوہاب صاحب کا کام باباصاحبؒ کے کرم سے ہو گیا۔ سید عبدالوہاب صاحب بھی بابا کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے اور برابر حاضری دینے لگے۔

ایک دن عبدالوہاب صاحب بابا کی خدمت کر کے لوٹ رہے تھے کہ راستہ میں ایک آدمی ملا اور کہا۔ "کہاں سے آرہے ہو۔" انھوں نے جواب دیا۔ "باباصاحب کی خدمت سے آرہا ہوں۔"

اس شخص پوچھا "آپ نے وہاں کیا کیا؟"

انھوں نے جواب دیا "میں نے بابا کے پیر دبائے۔" اس اجنبی نے ان سے ہاتھ سونگھنے کو کہا تو انھوں نے اپنے ہاتھ سونگھے۔ ان میں سے مشک کی خوشبو آرہی تھی۔ انھوں نے اپنے ہاتھ اپنے کپڑوں پر مل لئے۔ ان کے کپڑوں میں بھی خوشبو بس گئی۔ انھوں نے ان کپڑوں کو سنبھال کر رکھ لیا اور برسوں تک رکھے رہے لیکن بہت کھوج پر بھی یہ نہ جان پائے کہ وہ کون اجنبی تھا جس نے خوشبو کا احساس کرایا تھا۔

کامٹی کے کے قطب الدین صاحب کا لڑکا فخرالدین سخت بیمار تھا جب کوئی علاج کارگر نہ ہوا تو وہ باباصاحب کی خدمت میں دعا کرانے کے لئے حاضر ہوئے۔ جب باباصاحبؒ کے قدموں میں جھکے تو حضور باباصاحب نے فرمایا۔ "کس کے لئے دعا کریں وہ تو دنیا سے چل بسا ہے۔"

باباصاحبؒ کے الفاظ سن کر قطب الدین سکتہ میں آگئے اور بابا

صاحب کے سامنے بیٹھے رہ گئے تو فرمایا "صبر کرو۔" قطب الدین صاحب سمجھ گئے اللہ کی مرضی میں چارہ نہیں۔ لڑکے کا وقت پورا ہو چکا تھا۔ صبر وضبط کے ساتھ گھر لوٹ آئے اور بیٹے کی تدفین کا انتظام صبر وضبط سے کیا۔

یہ قطب الدین صاحب وہی ہیں جو بعد میں بابا صاحبؒ کے زبردست عقیدت مند بن گئے اور ایک کتاب تاج قطبی نام سے لکھی جس میں حضورؒ کے حالات وواقعات زندگی بڑی تفصیل سے درج ہیں۔

ایک بار ایک مجرم بابا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بابا نے اسے دیکھ کر فرمایا "جا ہم نے تجھے چھوڑ دیا۔"

وہ ایک غریب کسان تھا جسے زمین کے جھگڑے کی وجہ سے گاؤں کے لوگوں نے ایک قتل کے مقدمہ میں پھنسا دیا تھا۔ غریب آدمی اپنے مقدمہ کی پیروی نہ کر سکا اور اسے پھانسی کی سزا سنا دی گئی لیکن اپیل کی اجازت و مہلت دی گئی تو وہ بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بابا صاحبؒ نے اس کو مطمئن کر کے واپس کیا۔ ہائی کورٹ میں مقدمہ پیش ہوا تو ایک وکیل جج صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور مقدمہ کی پیروی کرنے کی اجازت چاہی۔ اجازت مل جانے پر اس نے مختصر سی تقریر سے جج کو مطمئن کر دیا۔ جج نے سرکاری وکیل سے مشورہ کر کے فیصلہ سنایا اور رام سنگھ مجرم صاف بری کر دیا گیا۔ وہ وکیل کوئی اور نہیں خود بابا صاحب تھے جو ایک بے قصور مجرم کو آزاد کرانے کے لئے وکیل بن کر عدالت میں آئے تھے۔

ایک بار ممبئی کے ایک سیٹھ بابا حضورؒ کے پاس آئے۔ ان کے والد

ممبئی میں سخت بیمار تھے۔ سیٹھ صاحب انھیں کے لئے دعا کرانے کے لئے باباحضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ بابا صاحب ان کو دیکھتے ہی بولے "ممبئی واپس جاؤ تمہارے والد ٹھیک ہوگئے ہیں۔"

سیٹھ صاحب نے بابا صاحب کے ان الفاظ کی تصدیق کے لئے ممبئی جوابی تار بھیجا۔ جس کا جواب ممبئی سے ان کے والد نے ہی نے دیا کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔

ڈاکٹر عبدالمجید خاں صاحب کے رٹائر ہونے کے بعد ڈاکٹر کاشی ناتھ راؤ پونسکر پاگل خانہ کے انچارج بنے۔ وہ طالب علمی کے زمانے سے ہی روحانیت کی طرف مائل تھے۔ ان کے گرو بابا برہمچاری جب ان سے ملنے پاگل خانہ آئے تو دروازے سے ہی پکار اٹھے۔ "بھائی تاج الدین یہ بچہ تمہارے حوالے ہے۔ اسے سنبھال کر رکھنا۔ باباحضور اس وقت ایک پیڑ کے نیچے ریاضت میں مصروف تھے وہیں سے بولے "اپنی ہی برادری کا ہے۔ کہاں جاسکتا ہے۔"

دونوں بزرگوں کی بات چیت ڈاکٹر کاشی ناتھ کے لئے حیران کن تھی۔ لیکن اسی دن سے ان کے دل میں باباحضور کے لئے عقیدت پیدا ہوگئی اور ان کو اپنا روحانی گرو سمجھنے لگے۔ باباصاحب نے بھی اپنے فیوض و برکات سے انھیں خوب نوازا۔ باباصاحبؒ کی نظر کرم سے ڈاکٹر پونسکر ایک مہان شخصیت بن گئے۔

ایک رات پاگل خانہ سے گیارہ قیدی فرار ہوگئے۔ ڈاکٹر کاشی ناتھ

بہت گھبرائے لیکن باباصاحبؒ کے فیض و کرم سے وہ سب قیدی صبح پاگل خانہ لوٹ آئے۔ ڈاکٹر صاحب اپنے انگریز افسر کے پاس اس واقعہ کی اطلاع کرنے حاضر ہوئے تو باباصاحب بھی وہاں آپہونچے اور انگریز افسر سے بولے "تو یہاں کیا کر رہا ہے؟ جا اپنے بنگلہ پر جا۔ تیری بیوی کا انتقال ہو گیا ہے۔" وہ انگریز افسر بنگلہ پر پہنچا تو اسے بیوی کی موت کا تار ملا۔

اس واقعہ سے انگریز افسر بھی ان کا معتقد ہو گیا اور انگریزوں میں بھی باباصاحبؒ کی کرامات کی شہرت ہوئی۔

ایک دن ایک شخص باباصاحب کے پاس آیا اور قدموں میں سر رکھ کر التجا کی کہ میری بیٹی سخت بیمار ہے مہربانی کر کے اسے بچا لیجئے۔ باباصاحبؒ نے اس شخص کی طرف دیکھا اور تھوڑی سی دیر کے لئے آنکھیں بند کر لیں پھر آنکھ کھول کر بولے "جاؤ تمہاری بیٹی اب تندرست ہے خطرہ ٹل گیا۔"

انھوں نے گھر جا کر دیکھا کہ لڑکی کچھ کھا رہی ہے اور ٹھیک ہے۔ ان کی بیوی نے بتایا کہ ایک فقیر دروازے پر بھیک مانگنے آیا تھا وہ فقیر کو کچھ پیسے دینے دروازے گئی تو اس کی آنکھوں میں اداسی دیکھ کر فقیر نے پوچھا۔ "کیوں کیا بات ہے؟ تمہاری آنکھوں میں اداسی کیسے ہے؟" بیوی نے بیٹی کا حال سنایا۔ فقیر اندر چلا آیا اور لڑکی پر ہاتھ پھیر کر کہا "لو اب یہ جلدی ہی اچھی ہو جائے گی۔" یہ کہہ کر فقیر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد لڑکی اٹھ بیٹھی اور کچھ کھانے کے لئے مانگنے لگی۔

پاگل خانہ میں ایسی لا تعداد کرامات دکھانے اور لوگوں کو فیض ہو
سے بابا تاج الدینؒ کا نام دور دور تک مشہور ہو گیا اور ہزاروں کی تعداد میں
لوگ پاگل خانہ بابا کے درشن کے لئے آنے لگے۔ ان میں بہت سے انگر
افسر بھی تھے۔ اب انگریزوں کو بھی یقین ہو گیا تھا کہ بابا کوئی معمولی انسان
نہیں بلکہ خدا رسیدہ بزرگ ہیں وہ پاگل نہیں ہیں بلکہ عشق الٰہی میں ڈوبے
ہوئے سچے پرہیز گار ہیں۔ اب انھیں زیادہ دنوں تک پاگل خانہ میں رکھنا
ٹھیک نہیں کیونکہ پاگل خانہ کے کرم چاری بھگتوں سے فیس وصول کرتے
تھے اور عام لوگ بابا کے دیدار اور ان فیض سے محروم رہ جاتے تھے۔

باب ۳

پاگل خانہ سے نجات

ناگپور کے مہاراجا راگھو جی راؤ بھونسلے نے دو ہزار روپیہ نقد ضمانت جمع کی اور بابا کو اپنے محل لے آئے۔ پاگل خانہ میں ۱۶ سال سے زیادہ عرصہ گذار کر آخر ۲۱ ستمبر ۱۹۰۸ء کو بابا کی پاگل خانہ سے رہائی ملی۔ مہاراجہ نے باباصاحب کیلئے شکر درا محل کے احاطہ میں ہی واقع لال محل میں مقام پر قیام کا بندوبست کر دیا۔ بابا صاحب ایک ماہ تک شکر درا میں رہ کر مہاراجہ کی اجازت سے واکی کے جنگلوں میں چلے گئے۔

واکی کے پٹیل شری کاشی ناتھ راؤ باباصاحبؒ کے بھگت تھے۔ انھیں جوڑوں میں درد کی شکایت تھی جس کے علاج کے لئے وہ اکثر ناگپور آیا کرتے تھے۔ ایک دن پاگل خانہ کے سامنے سے گذر رہے تھے کہ ایک جم غفیر دیکھ کر رک گئے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ پیڑ ایک سنت کے درشن کے لئے جمع ہے۔ کاشی ناتھ نے باباصاحبؒ کو دیکھ کر سر جھکا دیا۔ باباصاحبؒ نے فرمایا "نانا آپ ٹھیک ہو جاتے۔ ہم تمہارے گھر آئیں گے۔"

کاشی ناتھ راؤ کے جوڑوں کا درد جاتا رہا اور کاشی ناتھ مستقل باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونے والوں میں شامل ہو گئے۔

ایک دن باباصاحبؒ مہاراجہ کی بگھی میں سوار چلے جارہے تھے۔ نا
پاٹھن ساونگی پہنچ کر باباصاحبؒ نے فرمایا "نانا کو بلائے ہم واکی جائیں گے۔
فوراً واکی خبر بھیجی گئی جو پاٹھن ساونگی سے شمال کی جانب صرف چار میل کے
فاصلہ پر واقع ہے۔ کاشی ناتھ راؤ پٹیل فوراً چار بیل گاڑیاں لے کر آپہونچے
اور شاندر استقبال کر کے بابا کو واکی لے گئے۔ اس طرح باباصاحبؒ واکی پہنچ
گئے۔ کاشی ناتھ راؤ پٹیل نے بابا کی خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ کئی
خدمت گار مقرر کر دیئے اور خود بھی خدمت میں حاضر رہتے تھے مگر
باباصاحبؒ نے کبھی بستر پر آرام نہیں کیا۔ جب بیٹھتے زمین پر، جب لیٹتے تو
بھی زمین پر۔ جاڑا گرمی برسات ہر موسم میں ایک کرتے کے سوائے کچھ
پہنتے تھے۔ سر اور پاؤں ہمیشہ ننگے رہتے تھے۔

جس طرح پاگل خانہ میں آپ نے ہزاروں کرامات دکھائیں اور
ہزاروں لوگوں کو فیض پہونچایا، یہاں واکی میں بھی آپ کی کرامات اور فیوض
کا سلسلہ جاری رہا۔

واکی شریف میں قیام کے دوران مسجد، مدرسہ، شفاخانہ اور عدالت
قیام گاہ: باباصاحبؒ نے پٹیل کے کھیت میں ایک بڑے املی کے درخت
نیچے قیام کیا اور اکثر وہیں ریاضت میں مصروف رہتے۔ وہاں عقیدت
آتے اور بابا سے فیض حاصل کرتے تھے۔ پٹیل نے وہیں ایک
باباصاحبؒ کے لئے بنوادیا تھا۔ حضور باباصاحبؒ نے اس مقام کو چھوڑ

ناگپور کا نام دیا تھا۔ رفتہ رفتہ وہاں آکر رہنے والوں کی تعداد بڑھ گئی اور اچھی خاصی بستی آباد ہو گئی۔

مسجد: باباصاحبؒ نے اپنی قیام گاہ کے احاطہ میں ہی ایک مقام کو مسجد کے نام سے موسوم کیا ہوا تھا۔ یہاں بابا ہر اس شخص کو جو روحانی تکالیف میں مبتلا ہوتا نماز پڑھنے کا حکم دیتے۔ ان لوگوں میں ہر مذہب و نظریہ کے اشخاص شامل ہوتے۔ ہندو، مسلمان، سکھ عیسائی کسی کی کوئی تفریق نہیں تھی۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ اس مسجد میں جو بھی نماز پڑھ لیتا تھا روحانی تکالیف سے آزاد ہو جاتا اور نفسانی برائیوں سے پاک ہو جاتا۔

مدرسہ : آپ نے آم کے ایک بڑے درخت کو مدرسہ کا نام دیا تھا۔ کتابی اور روحانی تعلیم کا شوق لے آنے والوں کو بابا مدرسہ میں قیام کرنے کا حکم دیتے تھے۔ سیکڑوں طلباء کو وہاں آکر فیض پہونچا اور وہ کتابی اور روحانی علم حاصل کر کے وہاں سے گئے۔ ان میں سے بہت سے عہدیدار بنے، مولوی بنے اور پنڈت بنے۔ یہاں بھی کوئی تخصیص نہیں تھی بلکہ مدرسہ ہر ایک کے لئے کھلا ہوا تھا۔ آج بھی مدرسہ کا فیض باباصاحبؒ کے کرم سے جاری ہے۔

شفاخانہ : قیام گاہ کے مغربی سمت کوئی دو فرلانگ کے فاصلہ پر ایک آم کا درخت ہے جسے باباصاحبؒ اسپتال کہتے تھے۔ اگر کوئی لاعلاج مریض بابا کے پاس آتا تو بابا اسے اس آم کے پیڑ کے نیچے قیام کرنے کا حکم

دیتے۔ وہ وہاں تب تک رہتا جب تک اسے مکمل صحت نہ ہو جاتی۔ ایک بار ایک انگریز جو اپنی بیماری سے تنگ آچکا تھا بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ اتنا کمزور تھا کہ چل بھی نہیں سکتا تھا۔ بابا صاحبؒ نے اسے سوکھی روٹی دے کر کہا اسے پانی میں بھگو کر کھاؤ اور اسپتال میں رہو وہ انگریز پانی میں بھگو بھگو کر سوکھی روٹی کھاتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ بالکل تندرست ہو گیا۔ اس کے رشتہ دار کے جو اس سے ملنے آئے تو اسے پہچان نہ سکے۔

عدالت: مدرسہ کے قریب ایک آم کے درخت کو بابا صاحب کچہری کہتے تھے، دنیاوی معاملات میں گرفتار اور پریشان آتے تو بابا ان کو کچہری میں ٹھہرنے کا حکم دیتے۔ جب تک بابا صاحب اسے چھٹی نہ دیتے وہ وہیں قیام کرتا۔ اسی آم کے پیڑ کے نیچے پڑا رہتا اور جب بابا کی اجازت پاکر گھر لوٹتا تو معاملہ ختم ہو چکا ہوتا۔ اس طرح سیکڑوں نہیں ہزاروں عقیدت مندوں مسیحائی اور مشکل کشائی کی، کتنے ہی ایسے بابا کے بھگت تھے جن پر انگریزوں کی پولس نے مقدمے قایم کئے ہوئے تھے۔ لیکن بابا صاحب کی عدالت میں آکر ان مقدموں سے نجات پاگئے۔ آج بھی لوگ وہاں آکر تار فائل میں اپنی عرضیاں لگا جاتے ہیں اور فیض اٹھا رہے ہیں۔

میٹھا نیم: ایک دن بابا صاحبؒ اپنے ڈیرے کے قریب ایک نیم کے نیچے بیٹھے تھے کہ ایک مریض خدمت میں حاضر ہوا۔ بابا نے اسے حکم دیا "اس کے پتے توڑتے اور کھا لیتے۔"

اس شخص نے نیم کے درخت کی طرف دیکھا اور نیم کی کڑواہٹ کا خیال کر کے کھڑا رہ گیا۔ باباصاحبؒ نے فرمایا "کون کہتا ہے کہ اس کے پتے کڑوے ہیں جہاں اپنی نگاہ جاتی ہے سب میٹھا ہی میٹھا ہے۔"

اس نے بابا کا حکم پا کر ایک ٹہنی سے کچھ پتے توڑ کر چبائے اور حیرت میں پڑ گیا واقعی کڑواہٹ کا نام نہ تھا، پتے میٹھے تھے۔ تب سے کتنے ہی آنے والے اس پیڑ کے میٹھے پتے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور ان سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ ان کی بیماری دور ہو جاتی ہے۔

باب ۴

واکی شریف میں بابا کی کرامات

ولیوں سے جو حیرت انگیز واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں انھیں کرامت کہتے ہیں۔ باباصاحبؒ کی زندگی ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ پاگل خانہ کے قیام کے دوران باباصاحبؒ جو کرامات ظہور میں آئیں ان کا تذکرہ پچھلے صفحات میں کیا جاچکا ہے۔ اب یہاں وہ کرامات بیان کی جائیں گی جو باباصاحبؒ سے واکی شریف میں ظہور میں آئیں۔ یہ کرامات بابا نے دوسروں کو فیض پہنچانے کے لئے دکھائیں۔ ان کا مقصد کوئی شہرت پانا یا اپنے کو لوگوں کی نظر میں لانا نہیں تھا۔ شہرت تو آپ کو خود بخود مل رہی تھی اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

قاتل کی رہائی: ایک دن برسات کے موسم میں ایک عقیدت مند ابوالحسن نے لنگر کے لئے دیگ چڑھائی تو بارش شروع ہوگئی۔ اس قدر پانی برسا کہ آگ بجھ گئی اور چولہے کی لکڑیاں تک بہہ گئیں۔ بارش رکنے کا انتظار تھا کہ دو سپاہی ایک قیدی کو لے کر باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ قیدی کے ہاتھوں میں ہتھکڑی اور پیروں میں بیڑیاں تھیں۔ اس نے بتایا کہ اُسے قتل کے الزام میں پھانسی کی سزا دی گئی ہے اور وہ اپنی

آخری خواہش کے طور پر بابا کا دیدار کرنے آیا ہے۔

"آپ میرے حق میں دعا کیجئے کہ میں رہا ہو جاؤں۔" قیدی گڑگڑایا۔

بابا نے فرمایا "بائیں ہاتھ سے سلام کر کے جاتے۔" اور ابو لحسن کے والد سے کہا کہ اسے نیاز کا کھانا کھلاتے۔

دیگ بھیگے چولہے پر رکھی تھی اور سب سوچ رہے تھے کہ ابھی کھانا کہاں تیار ہوا ہو گا مگر دیگ کھول کر دیکھا تو کھانا تیار تھا۔ اس میں سے قیدی کو کھانا کھلایا گیا اور رخصت کر دیا گیا۔ قیدی نے ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی اور صاف بری ہو گیا جیسا کہ بابا کے الفاظ سے اطمینان ہو گیا تھا۔

بابا صاحب مکہ میں دیکھے گئے: ایک بار ایک ضعیف حاجی صاحب حج کر کے ناگپور تشریف لائے اور تانگے والے سے ناگپور میں باگھی کا پتہ پوچھنے لگے لیکن اس نام کا بھید کسی پر نہ کھلا۔ اتنے میں جناب احمد خان صاحب تشریف لائے تو انھوں نے ماجرا دریافت کیا۔ حاجی صاحب نے فرمایا کہ مکہ میں مجھے ایک بزرگ ملے تھے میں نے ان سے بات کرنی چاہی تو انھوں نے فرمایا کہ یہاں نہیں سنتروں والے ناگپور کے باگھی میں آنا۔ جناب احمد خاں صاحب سمجھ گئے یہ تاج الدین بابا کی بات کرتا ہے اس لئے باگھی نہیں واکی ہو گا۔ بس احمد خاں صاحب حاجی صاحب کو لے کر واکی روانہ ہوئے۔ پاٹھن ساونگی میں ہی تھے کہ بابا صاحب نے اپنے خدمت گاروں سے فرمایا "چلو رے مکہ سے مہمان آتے ہیں ان کی خاطر کریں۔"

جب حاجی صاحب باباؒ کے سامنے پہنچے تو فوراً پہچان لیا یہی بابا تھے جو مکہ میں ملے تھے اور انھوں نے واکی آنے کی دعوت دی تھی۔ اس دن سے حاجی صاحب واکی شریف میں ہی رہ پڑے اور بابا کی خدمت کرنے لگے۔

ریت میں بچہ: ایک دن باباصاحبؒ کنہان ندی کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے کہ دو عورتیں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ ہماری شادیوں کو بہت عرصہ ہو چکا ہے مگر اولاد نہیں ہوتی۔ آپ نے دونوں کی بات سنی اور ایک ایک لڈو دونوں کو چکھ کر دیا۔ ایک عورت شانتی بائی نے بڑی عقیدت اور خلوص سے وہ لڈو کھالیا مگر دوسری عورت سمدرا نے نظر بچا کر اپنا لڈو ریت میں ڈال دیا۔ نو ماہ بعد شانتی بائی کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تو وہ اس لڑکے کو لے کر باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس وقت بھی سمدرا اس کے ساتھ تھی وہ بہت شرمائی ہوئی تھی اور پچھتا رہی تھی۔ بابا نے کہا۔ "تیرا بچہ ریت میں ہے نکال لے۔" سمدرا بابا کے قدموں گر پڑی اور گڑگڑا کر معافی مانگنے لگی۔ بابا رحم دل تھے ان کا دل پسیجا اور اسے بھی دعا دے کر رخصت کیا۔ سال بھر بعد سمدرا کے یہاں بھی لڑکا پیدا ہوا۔

خواب میں بحالی: ایک دن باباؒ اپنے ڈیرہ پر املی کے درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ چاروں طرف عقیدت مندوں اور حاجت مندوں کی بھیڑ تھی اتنے میں ایک شخص مٹھائی اور پھولوں کا ہار لئے حاضر ہوا۔ بابا نے اسے دیکھ کر فرمایا "میاں! کیوں آئے ہو؟ ہم کو پہچانتے ہو ہم ہی تو وہاں حاضر تھے جب بڑے صاحب نے بحالی کا حکم دیا تھا۔"

حضرت باباصاحب کے یہ الفاظ سن کر وہ شخص دوڑ کر آپ کے قدموں سے لپٹ گیا اور سبک سبک کر رونے لگا۔ بابا کے عقیدت مندوں نے اسے اٹھایا اور تسلی دیکر الگ لے گئے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس شخص کو ملازمت سے الگ کر دیا گیا تھا وہ اجمیر شریف چلا گیا اور وہاں خواجہ غریب نوازؒ کے دربار میں عرضیاں دیتا رہا۔ اس طرح کئی دن گذر جانے پر اس نے خواب دیکھا کہ کئی بزرگ خواجہ صاحب کے ساتھ جمع ہیں۔ ان مین باباتاج الدین بھی ہیں۔ آپ نے فرمایا "چلا جا اپنی ملازمت پر۔ بحال کیا گیا۔" چنانچہ جب میں اپنے گھر پہنچا تو مجھے بحالی کا خط ملا اور مجھے پھر ملازمت پر بلا لیا گیا۔ یہ سب باباصاحبؒ کے طفیل سے ہوا ہے اسی لئے میں بابا کا دیدار کرنے حاضر ہوا ہوں۔

تیس سالہ بیماری سے نجات: جناب تکارام واکے کر سیٹھ نرائن داس کے منیم تھے اور تیس سال سے کھانسی کے عارضہ میں مبتلا تھے۔ کھانستے کھانستے اور بلغم تھوکتے تھوکتے ۳۰ سال ہو گئے تھے۔ راتوں کی نیند بھی حرام ہو گئی تھی۔ ایک بار سیٹھ کے کسی کام سے واکی جانے کا اتفاق ہوا۔ واکی میں سیٹھ نرائن داس کا ایک باغیچہ تھا۔ باغیچہ کے باہر ایک پیڑ کے نیچے باباصاحبؒ تشریف فرما تھے۔ واکے کر صاحب نے سوچا باباصاحب کو چائے پہنچا دوں اس لئے چاندی کے کپ مین چائے لیکر باغیچہ سے نکلے تو سیٹھ صاحب نے دیکھ لیا۔ بولے "چاندی کے کپ میں چائے لیکر کہاں جاتا ہے شیشہ کے کپ میں چائے لے جا۔" لیکن وہ آنکھ بچا کر

چاندی کے کپ میں ہی چائے لے گئے۔ بابا صاحبؒ نے دور ہی سے پکار کر کہا" جا تیرا چاندی کا کپ ناپاک ہو جائے گا۔ واکے کر صاحب گڑگڑا کر بولے "میں کس محنت سے چائے لایا ہوں آپ اسی میں پی لیجئے۔" بابا نے چائے لے لی اور چائے پیتے پیتے بولے "اگر ۳۰ سال پہلے چائے لے آتے تو اتنے دن پریشان نہ ہونا پڑتا۔" اور ایک چٹکی خاک اٹھا کر دی "لے اسے کھالے۔" واکے کر صاحب نے بڑی عقیدت اور محبت سے وہ خاک پھانک لی اور اس کی تیس سالہ بیماری فوراً کافور ہو گئی۔

مردہ طوائف زندہ ہو گئی: ناگپور کی مشہور طوائف گرجی عرصہ سے بیمار تھی۔ حکیم، وید، مسیانے، مولوی اور ڈاکٹر جواب دے چکے تھے اور ایک دن وہ مر گئی۔ واکی کے پٹیل شری کاشی ناتھ نے حضور بابا صاحب کی خدمت میں آدمی بھیجا تاکہ وہ دریافت کر آئے گرجی مر گئی ہے اسے دفن کیا جائے یا جلا دیا جائے۔ بابا صاحب نے فرمایا "گرجی مری نہیں بلکہ سوتی ہے۔" لوگ اس کی ارتھی تیار کر رہے تھے مگر بابا صاحب کی بات کی وجہ سے انھوں نے کاروائی روک دی۔ بابا صاحبؒ نے اپنے خادم کے ذریعہ چائے بھجوائی کہ گرجی کو پلا دی جائے۔ خادم نے تین مرتبہ کہا کہ گرجی چائے پی لو بابا صاحب نے بھیجی ہے۔ تیسری آواز پر گرجی اٹھ بیٹھی اور چائے پی لی اور اٹھ کر اندر سے باہر آئی۔ دریافت کیا بابا صاحب کہاں ہیں؟ اتنے میں بابا صاحب سامنے نظر آئے۔ گرجی قدم بوسی کے لئے جھکی۔ بابا صاحب نے کہا "کتاب پڑھو۔" یعنی گانا گاؤ۔ گرجی نے بابا کو گانا

سنایا اور مسلمان ہو کر کافی دنوں تک زندہ رہی۔ یہ حضرت عیسیٰؑ کا معجزہ حضور سرو کائناتؐ کی امت کے ایک فرد کی کرامت بن کر سامنے آیا۔ یہ واقعہ ناگپور میں بہت مشہور ہے۔

ایک افغان بزرگ کی رھنمائی : ایک افغان بزرگ سید جان شاہ افغانستان کی پہاڑیوں میں ریاضت و عبادت میں مشغول تھے۔ ایک دن وہ اس پہاڑی علاقہ میں گھوم رہے تھے۔ ان کی ملاقات ایک بہت ہی خدا رسیدہ بزرگ سے ہوئی۔ ان کے پُر جلال چہرے کو دیکھ کر وہ ان کی طرف راغب ہوئے۔ تب ان بزرگ نے شاہ صاحب سے کہا "ان پہاڑیوں میں کیا بھٹک رہا ہے چل واکی تاج الدین کے پاس وہاں سب کچھ ملے گا۔"

شاہ صاحب ان بزرگ سے بابا تاج الدینؒ کے بارے میں بات چیت کرتے ہوئے چلنے لگے۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد بزرگ غائب ہو گئے۔ اب شاہ صاحب گھومتے گھامتے اور بابا تاج الدینؒ کا پتہ پوچھتے واکی جا پہنچے۔ واکی میں بابا کی صورت دیکھتے ہی شاہ صاحب نے پہچان لیا کہ یہی وہ بزرگ تھے جو افغانستان کی پہاڑیوں میں ملے تھے۔ شاہ صاحب بابا تاج الدینؒ کے حلقے میں داخل ہو گئے۔ کافی عرصہ تک واکی میں بابا کی خدمت کی۔ بعد میں بابا کے ساتھ شکر درا آگئے اور نہ جاننے کے باوجود بابا کی گالی پہچان لیتے اور کہتے "بابا تم گالی کیوں دیتے؟" بابا فرماتے "نہیں رے میں گالی نہیں دعا دیتا ہوں۔"

بابا کا کتا شیرو : واکی شریف میں شیرو نام کا ایک کتا بابا

صاحب کے ساتھ رہتا تھا۔ گاڑی کے وقت وہ پالٹن ساونگی کے اسٹیشن پہنچ جاتا اور بابا صاحبؒ کے پاس آنے والے عقیدت مندوں کی رہنمائی کرتا اور بابا جہاں بھی ہوتے وہیں انھیں پہنچا دیتا تھا۔ بھگت اس کتے کو پہچانتے تھے اور اس کے پیچھے چل پڑتے تھے۔

ایک دن وہ کتا لوگوں کو اسٹیشن پر نہیں ملا۔ سب کو تعجب ہوا اور شیرو کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے بابا کے ڈیرے پر جا پہنچے۔ بابا ڈیرے پر نہیں تھے اس لئے انھیں تلاش کرنے کے لئے جنگل کی طرف جا نکلے۔ راستے میں انھیں شیرو کی لاش ملی۔ لوگوں کو بہت افسوس ہوا۔ آگے چل کر جب بابا صاحبؒ سے ملاقات ہوئی تو انھیں شیرو کی موت کی خبر سنائی۔ باباؒ نے فرمایا۔ ”نہیں رے۔ چل دیکھو کہاں ہے وہ؟“

لوگ انھیں شیرو کی لاش کے پاس لائے تو آپ نے حکم دیا ایک ٹوکری میں اس کی لاش کو لے چلو۔ جب شیرو کی لاش ٹوکری میں رکھ دی گئی تو بابا نے اپنا لتا (کپڑا) اس پر ڈال دیا۔ ٹوکری ایک آدمی نے سر پر اٹھائی۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد شیرو ٹوکری میں سے کود پڑا اور سب کے آگے آگے چلنے لگا۔ لوگوں کو بہت تعجب ہوا۔

شیرو اس کے بعد کچھ دن زندہ رہ اور پھر واقعی مر گیا۔ بابا صاحبؒ نے اسے اسپتال کے پاس دفن کرا دیا۔ اس قبر کی یہ کرامت بتائی جاتی ہے کہ پاگل کتے کے کاٹے ہوئے مریض اس قبر پر آکر اگر بتی جلاتے ہیں تو ٹھیک ہو جاتے ہیں۔

شیر آداب بجا لایا: ایک عقیدت مند نے اپنا آنکھوں دیکھا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایک دن موسم گرما کی شام کو حضور اپنے ڈیرے سے نکل کر کنہان ندی کی طرف چل پڑے۔ بہت سے عقیدت مند بھی ساتھ ہو لئے۔ لیکن حضور اتنا تیز چل رہے تھے کہ سب پیچھے رہ گئے۔ صرف میں ہی بھاگ کر حضور کے ساتھ چل سکا۔ حضور ندی پر پہنچ کر رکے نہیں بلکہ پانی میں چلتے ہوئے ندی کے بیچ ایک چٹان پر جا کر لیٹ گئے۔ میں بھی ادب کے ساتھ پاس ہی بیٹھ گیا۔ حضور نے فرمایا "نکورے گھبرا۔ نکو"

میں نے جواب دیا "حضور کے ہوتے ہوئے میں کیوں گھبراؤں گا۔"

اتنے میں ایک بڑا شیر سامنے سے آیا۔ شیر سامنے کے دونوں پیروں کو دبائے اور سر جھکائے ہوئے دھیرے سے حضور کے قدموں کی طرف بڑھنے لگا۔ قریب پہنچ کر تین بار آپ کے پیروں کو چاٹا اور اسی طرح واپس ہو گیا جیسے آیا تھا۔ تھوڑی دور جا کر ایک زقند بھری اور آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ رات ہو چلی تھی اس لئے ہم ڈیرے پر واپس آ گئے۔

نائی کے ہاتھوں میں عطر کی خوشبو: ایک دن حضور واکی کے جنگل میں تشریف فرما تھے۔ چاروں طرف عقیدت مندوں کی بھیڑ تھی۔ اتنے میں گاؤں کا نائی گنپت راؤ حاضر ہوا اور قدموں کو چھو کر عقیدت کا اظہار کیا۔ حضور نے پاس میں پڑا ہو گوبر کے اپلے کا ایک ٹکڑا اٹھا کر نائی کے ہاتھ میں دے دیا۔ نائی نے سوچا حضور مجھ سے ناراض ہیں

اس لئے فوراً گاؤں کی طرف چل دیا۔ راستہ میں اس نے وہ ٹکڑا پھینک دیا اور گھر چلا گیا۔

دوسرے دن جب وہ ایک گھر میں حجامت بنانے گیا تو حجامت بنوانے والے کو اس کے ہاتھوں سے عطر کی تیز خوشبو آئی۔ انھوں نے پوچھا "تو نے یہ عطر کہاں سے مارے گنپت جس کی تیز خوشبو تیرے ہاتھ سے آرہی ہے؟ اب تو نائی نے بھی اپنے ہاتھ سونگھ کر دیکھے واقعی بڑے نفیس عطر کی خوشبو تھی۔ وہ رونے لگا۔ جب اس سے رونے کا سبب پوچھا گیا تو اس نے کل کا واقعہ سنایا۔ وہ پچھتا رہا تھا کہ حضور نے تو مجھے خوشبو کا خزانہ دیا تھا جسے میں اپنی نادانی سے گنوا دیا۔ کہتے ہیں اس کے ہاتھوں کی خوشبو چھ ماہ تک باقی رہی۔

ناامیدوں کا سہارا بابا : ایک مرتبہ ایک بہت ہی خستہ حال شخص حضورؒ کے دیدار کے لئے آیا مگر عقیدت مندوں کی بھیڑ کے سبب حضور تک نہیں پہنچ سکا۔ جب وہ اس بھیڑ میں راستہ بنانے کی کوشش کر رہا تھا تو دربار کی خادمہ لاامّاں نے اس کو پکڑ لیا اور مارنے لگیں۔ حضور کافی دور تھے وہیں سے بھاگتے ہوئے آئے اور لاامّاں کا ہاتھ پکڑ کر بولے۔ "ہو میرے پاس آئے ہوئے کو مارنے والی تو کون ہوتی رے؟ جو ساری دنیا سے ناامید ہو جاتا ہے وہ ہمارے پاس آتا ہے۔ جب اس کو یہاں بھی مار لجائے تو بے چارہ کہاں جائے؟"

اس طرح اس غریب کی بات توجہ سے سنی اور دعا دے کر رخصت فرمایا۔

باب ۵

پھر سے شکر درا کو واپسی

ناگپور کے مہاراجہ راگھوراؤ جی باباصاحبؒ سے بڑی محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ واکی شریف میں بھی حضور کی خدمت میں اکثر آتے رہتے تھے۔ حضور باباصاحبؒ بھی ان کی محبت سے بہت متاثر تھے۔ اس لئے ایک بار پھر شکر درا تشریف لائے۔ راجہ صاحب نے محل کی ایک کوٹھی لال محل آپ کے قیام کے لئے وقف کر دی اور کئی خادم مقرر فرمائے تاکہ حضور کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ گھمانے پھرانے کے لئے ایک بگھی معہ کوچوان ہر وقت حضور کے دروازے پر کھڑی رہتی۔ لیکن باباتو مست تھے ان کو ان تکلفات کی کیا ضرورت تھی۔ ان کو جس کی لگی تھی ہر وقت وہی نظروں میں رہتا۔

کبھی کبھی آپ منہ اندھیرے ہی لال محل سے نکل کھڑے ہوتے اور جنگلوں میں گھومتے پھرتے۔ کبھی دوپہر کو اور کبھی شام کو واپس آتے۔ ہر وقت عقیدت مندوں اور بھکتوں کا ہجوم ساتھ رہتا۔ ان میں سب طرح کے لوگ ہوتے۔ امیر، غریب، فقیر، ہندو مسلمان، سکھ عیسائی بڑے بڑے عہدے دار اور افسر۔ سب ہی حضور کی نظر کرم کے محتاج ہوتے۔ اپنے مقدور بھر خدمت کرتے اور عقیدت کے مطابق فیض پاتے۔ دور دور سے

لوگ آتے پھول مالا لاتے، مٹھائیاں اور کپڑے وغیرہ لاتے۔ ان چیزوں
روزانہ ہی ڈھیر لگ جاتا۔ بابا صاحبؒ ان چیزوں کو غریبوں اور مسکینوں میں
بٹوا دیتے۔ ان کے جسم پر صرف ایک کرتا ہوتا اور کبھی کبھی اس کو بھی اتار کر
بھی کسی کو دے دیتے۔

لوگ تھال سجا کر کھانا لاتے اور بابا صاحبؒ کبھی کسی تھال سے ایک
لقمہ اٹھا کر کھا لیتے باقی سب یتیموں اور غریبوں کو بانٹ کیا جاتا۔ شکر دراہیں
ہر وقت میلہ سا لگا رہتا۔ چھوٹی موٹی دکانیں بھی لگی رہتی تھیں۔ گانے
بجانے والے بھی حضور کے ساتھ رہتے اور گلے میں ڈھول لٹکائے پھرتے۔
ایک جشن کا سا سماں ہوتا۔ جنگل میں بھی حضور کے ساتھ اتنا ہی ہجوم ہوتا۔
کبھی کوئی گانے والا غلطی کرتا تو حضور اسے ٹوک دیتے "ایسے نہیں ایسے
گا رے۔"

لال محل سے شکر دراتک کئی جھونپڑے بن گئے تھے جن میں ناگپور
کے لوگ دن رات رہتے اور ملک بھر سے آئے ہوئے عقیدت مند وہاں
مہینوں پڑے رہتے تھے۔ جب تک بابا صاحبؒ کی اجازت نہ ہوتی شکر دراہیں
چھوڑتے تھے۔

صبح چار بجے ہی حضرت بابا صاحب محل کے صدر دروازے سے نکلتے
ہار بیچنے والے آواز لگانے لگتے۔ ہار لو ہار لو۔ یہ بابا صاحبؒ کے محل سے نکلنے کا
اعلان ہوتا۔ یہ آواز سن کر ہر کوئی سمجھ جاتا کہ بابا صاحبؒ محل سے وارد ہو
چکے ہیں۔ جھونپڑوں میں رہنے والے اپنے اپنے جھونپڑوں سے نکل کھڑے

ہوتے اور صدر دروازے کی طرف دوڑنے لگتے۔ بابا تاج الدینؒ کبھی پورب کی سمت چلتے اور کبھی جنوب کی طرف۔ ہر جگہ میں عقیدت مندوں کی بھیڑ پیچھے ہوتی۔ بابا صاحب کھیتوں کھلیانوں اور کانٹوں بھرے راستوں سے گذرتے لوگ ان کا پیچھا کرتے۔ شہر میں جس طرف بھی آپ کی سواری گذرتی عقیدت مندوں کا ایک جم غفیر ساتھ ہوتا۔

کبھی کبھی حضور راجہ صاحب کی مقرر کردہ بگھی میں سوار ہو جاتے اور کوچوان ہیرالال بابا کو گھمانے نکل کھڑا ہوتا۔ صبح کا منظر بڑا عجیب و غریب ہوتا۔ کبھی کوئی چائے کی پیالی پیش کرتا۔ اس میں سے ایک گھونٹ پی لیتے اور باقی اس لانے والے کو واپس کر دیتے۔ غلام نبی پہلوان عمدو پہلوان اور یاماجی گاؤڑے بگھی کے ساتھ ہوتے تاکہ بھیڑ سے کوئی تکلیف بابا صاحبؒ کو نہ ہو۔

شکر درا میں بھی حضور سے بہت سی کرامات ظاہر ہوئیں۔ جن کا مختصر اُبیان حسبِ ذیل ہے:

دو تھالی چرونجی کے کافی ہیں: ایک دن حضور کا دربار لگا تھا کہ ایک چور حاضر ہوا اس نے ایک حلوائی کے یہاں چوری کی تھی اور بہت پشیمان تھا۔ حضور نے فرمایا "بھاگ جا اب تیرا کام ہو گیا۔" چور وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد حلوائی حاضر خدمت ہوا وہ بہت پریشان تھا۔ حضور نے فرمایا "جا دُکان پر بیٹھ۔ دو تھال چرونجی کے بہت ہیں۔"

حلوائی نے حضور کے حکم کی تعمیل کی اور دُکان پر جا پہنچا۔ دیکھا کہ د
تھال چرونجی سجی ہے۔ دوسرے دن حلوائی ان تھالوں کو لے کر دُکان پر بیٹھ
گیا۔ خوب بکری ہوئی مگر تھالوں میں سے چرونجی کم نہ ہوئی۔ اس طرح
حلوائی روز چرونجی بیچتا رہا اور ہزاروں روپیہ کا مالک بن گیا۔

چائے سے علاج: گوندنا کے میونسپل بورڈ کے ایک بابو
صاحب کا اکلوتا لڑکا اندر بری عادتوں کا شکار ہو کر جلندھر جیسے مرض کا شکار
ہو گیا۔ بہت علاج کرایا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ کسی نے اسے شکر درا میں بابا
کے دربار میں حاضری کا مشورہ دیا۔ مایوس باپ بیٹے کو بابا صاحبؒ کے دربار
میں حاضر ہوا۔ دو دن تک پڑا رہا تب بابا اس لڑکے کے پاس آئے اور چائے
طلب کی۔ فوراً حکم کی تعمیل کی گئی۔ بابا نے تھوڑی سی چائے پی کر لڑکے کو
چائے پینے کا حکم دیا مگر وہ تو بے ہوش تھا۔ تیسری مرتبہ کہنے پر جب لڑکا
ہوش میں نہ آیا تو بابا کو جلال آگیا اور چائے کا پیالہ لڑکے کے منہ سے لگا دیا۔
لڑکا چائے پی گیا۔ ادھر چائے پیٹ میں گئی ادھر مرض غائب ہو گیا۔ لڑکا اٹھ
کر بیٹھ گیا اور ایک ہفتہ بعد بابو صاحب اپنے بیٹے کو صحتیاب گھر لے گئے۔

کیا یہ ممکن ھے کہ ایک ھی آدمی دو جگہ موجود ھو: ایک مدراسی عقیدت مند بابا کی خدمت میں حاضر ہوا۔
وہ ایک دفتر میں ملازم تھا اس لئے چار دن کی رخصت لے کر آیا تھا۔ اس نے
بابا سے اجازت مانگی تو بابا نے اجازت نہیں دی۔ وہ دل و جان سے بابا کی
خدمت میں لگ گیا۔ جب بھی اجازت چاہتا بابا خاموش رہتے وہ رک جاتا۔

اس طرح ایک مہینہ بیت گیا۔

ایک ماہ کے بعد جب وہ گھر کو روانہ ہوا تو اسے فکر تھی کہ گھر والوں کو اور دفتر والوں کو کیا جواب دے گا۔ مگر اس کے تعجب کا ٹھکانہ نہ تھا جب گھر والوں نے کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے اس کی گھر سے غیر حاضری کا پتہ چلتا بلکہ جب اس نے اس بات کو چھیڑنا چاہا تو اس کی بیوی نے کہا کیوں مذاق کرتے ہو جلدی تیار ہو کر دفتر جاؤ۔ دیر ہو جائے گی۔

وہ جب دفتر پہنچا تو وہاں بھی کوئی ایسی بات نہیں تھی کہ وہ اتنے دن کہاں غیر حاضر رہا بلکہ چپراسی نے کہا بڑے صاحب نے کل والی فائل واپس منگائی ہے۔

مدراسی بابو کے دماغ میں روشنی ہوئی وہ سمجھ گیا کہ یہ سب باباصاحبؒ کی کرامت ہے۔ وہ فائل اٹھا کر بڑے صاحب کے سامنے حاضر ہوا اور شروع سے لے کر آخر تک واقعہ کہہ سنایا۔ بڑے صاحب حیران رہ گئے کیا یہ ممکن ہے کہ ایک آدمی ایک ہی وقت میں دو جگہ موجود ہو۔

منّت پوری نہیں کی: تاج الدین باباؒ جہاں قیام کرتے لوگوں کو بڑے اور بھجیہ تقسیم کی جاتی تھی۔ کوئی بھی عقیدت مند ان کی قیمت ادا کر دیتا۔

ایک بار ایک بڑھیا بیمار ہوئی اس نے منّت مانی کہ اگر میں صحتیاب ہو جاؤں تو بڑے تقسیم کراؤں گی۔ وہ بڑھیا ٹھیک ہو گئی اور شکر درا میں آکر اس نے دیگ کرائی اور غریبوں کو کھانا کھلایا۔ گھر جا کر وہ پھر بیمار پڑ گئی تو بابا

کے پاس آئی۔ بابا نے کہا بڑے کھلاتے تو ٹھیک ہو جاتے بابا کے الفاظ سن کر بڑھیا کو اپنی منّت یاد آگئی۔ اس نے فوراً بڑے کھلوائے اور مکمل صحت یاب ہو کر گھر کو واپس ہوئی۔

بابا کی دعا سے شرارتی لڑکا ڈاکٹر بنا

شکر درا میں شری بی ایس سوم سندرم کے ساتھ ان کی لڑکی بھی رہتی تھی جس کے لڑکے کا نام مدن پال تھا اس کی عمر ۶ سال تھی۔ وہ بہت شرارتی تھا اور ماں کو بہت تنگ کرتا تھا۔ ایک دن ماں بیٹے کو بابا کے پاس لائی اور مدن گوپال کو شکایت بابا سے کی۔ بابا صاحب نے لڑکے کو اپنے پاس بلایا اور ایک کتاب پڑھنے کو دی۔ لڑکا پڑھنے لگا۔ تب بابا نے اس کی ماں سے کہا کہ جا لڑکا خوب پڑھے گا۔ واقعی لڑکے نے شرارت چھوڑ دی اور دل لگا کر پڑھنے لگا یہاں تک کہ وہ ایک قابل ڈاکٹر بن گیا۔ اس نے صرف ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ انگلینڈ میں بھی تعلیم حاصل کی۔ ڈاکٹر مدن گوپال ایک قابل ڈاکٹر ثابت ہوا اور عرصہ تک عوام کی خدمت کرتا رہا۔

منشی انور علی کا بیان

: مہاراجہ بہادر کے منشی انور علی صاحب اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک دن رات کے وقت بابا کا خادم کھانا لیکر حاضر ہوا۔ بابا صاحبؒ نے فرمایا "ٹھہرو ابھی ہمارا مہمان آنے والا ہے۔" اور اتنا کہہ کر بابا صاحب صدر دروازہ جا بیٹھے اور انتظار کرنے لگے۔ اتنے میں ایک بوڑھی عورت اپنی بیٹی گود میں لے کر آئی اور لڑکی کو بابا کے قدموں میں ڈال دیا۔ لڑکی لولی اور لپاج تھی

عورت بابا کی خدمت میں جھانسی سے آئی تھی۔ بابا نے کہا "اٹھ اور میرے ساتھ چل۔" مگر لڑکی پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ دوسری مرتبہ بھی جب لڑکی ٹس سے مس نہ ہوئی تو بابا کو جلال آگیا اور تیسری مرتبہ پھر حکم دیا اور کھڑے ہو گئے۔ لڑکی میں حرکت پیدا ہوئی اور کھڑے ہو کر بابا کے پیچھے چلنے لگی۔ اس کی ماں بھی ساتھ تھی۔ یہ کرشمہ سب نے بڑے تعجب سے دیکھا۔

قاضی امجد علی کابیان کردہ واقعہ:

قاضی امجد علی صاحب بابا کے پاس شکر درا میں رہتے تھے۔ انھوں نے ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ ۱۹۲۲ء کی بات ہے ایک نواب صاحب سخت پریشان تھے۔ برطانوی حکومت نے ان کی جاگیر سے متعلق اصل دستاویز طلب کی تھی۔ بہت تلاش کرنے پر بھی وہ دستاویز ہاتھ نہیں لگی۔ ٹال مٹول کرنے کی وجہ سے حکومت نے ان کی جاگیر ضبط کر لی تب نواب صاحب کسی دوست کے بتانے پر بابا صاحب کے سامنے پیش ہونے کے لئے شکر درا آئے۔ بابا صاحب اس وقت جنگل میں ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ بابا نے ان کے بولنے سے پہلے کسی آم کا کیڑوں کا کھایا ایک پتہ دے کر کہا۔ "جا اس کو لے جاتے فتح کرتے۔"

نواب صاحب نے پتہ بڑی عقیدت سے رکھ لیا اور گھر واپس آکر ایک مرتبہ پھر تلاش شروع کی تو ایک صندوق میں سب سے نیچے دیمک کھایا ہوا ایک کاغذ ملا جس کی نواب صاحب کو تلاش تھی۔ اس دستاویز کو دکھا کر ان کی جاگیر واپس مل گئی۔

باب ۶

محیر العقل واقعات

ساڑھے چار ہزار سال پرانا سانپ

۲۴-۱۹۲۳ء کے گرمیوں کے دن تھے۔ ہزاروں عقیدت مند باباصاحب
کا دیدار کرنے کے لے لال محل کے سامنے جمع تھے۔ اسی وقت حوض
نیچے سے ایک بہت بڑا سانپ پھنکارتا ہوا نکلا جسے دیکھ کر سب ہی عقید
مند ڈر گئے اور بھگدڑ مچ گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے لال محل کا احاطہ خالی ہو گ
سانپ میدان خالی پاکر لال محل میں داخل ہو گیا۔ اور حضور باباصاحبؒ
قدموں کی طرف بڑھنے لگا۔ خدام گھبرا گئے لیکن باباصاحبؒ کے چہرے
مسکراہٹ پھیل گئی جب سانپ باباصاحبؒ کے پیروں کے پاس پہنچ
باباصاحبؒ نے اپنا داہنا پیر آگے کر دیا۔ سانپ نے ان کے پیر پر سر رکھ د
آپ نے بائیں پیر سے اس کا جسم دبالیا۔ اب سانپ نے بائیں پیر پر اپنا
رکھا تو باباصاحبؒ نے داہنے پیر سے اس کا جسم دبالیا۔ اس طرح یہ کھیل د
منٹ تک چلتا رہا تو ایک خادم نے کہا حضور والا اب یہ کھیل ختم کر د
ہزاروں عقیدت مند دیدار کے انتظار میں ہے۔ آپ نے فرمایا یہ تو ساڑ
چار ہزار سال سے میرے دیدار کے انتظار میں ہیں۔ پھر سانپ کی طر
مخاطب ہو کر فرمایا "اچھا حضرت اب آپ جایئے۔" حضور کا حکم پاتے

سانپ وہاں سے دھیرے دھیرے نکل گیا اور اپنے بل میں چلا گیا۔

باباصاحب نے ہندوستان کی آزادی کی پیشن گوئی کی:

بابو نمہنت راؤ ناگپور سیکرٹیریٹ میں کلرک تھے وہ اکثر بابا کی قدم بوسی کے لئے شکرانہ ادا کیا کرتے تھے اور سینکڑوں ہندوؤں خاص کر چھوٹی ذات کے لوگوں کو باباصاحبؒ کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوتے دیکھے تھے۔ ایک دن بابو صاحب نے بابا حضور سے مسلمان ہونے کی جازت چاہی۔ اس وقت ان کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی۔ بابا نے دریافت کیا یہ کیا ہے تو بابو صاحب نے بتایا کہ یہ گیتا ہے۔ باباصاحب کیا پڑھ کر سناؤں۔ جب بابو صاحب نے کتاب کھولی تو اس کے پہلے ہی صفحہ پر باباصاحبؒ کی تصویر تھی۔ بابو صاحب دنگ رہ گئے۔

بابو نمہنت راؤ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ایک صاحب باباصاحبؒ کے حضور میں حاضر ہوئے اور ملک میں پھیلی بے چینی پر تشویش کا اظہار کرنے لگے۔ کیونکہ اس وقت انڈین نیشنل کانگریس اور خلافت کمیٹی کی تحریک آزادی زوروں پر تھی۔ ان صاحب نے باباصاحب سے استفسار کیا کہ انگریز کب تک ہندوستان کو آزادی دیں گے۔ تب باباصاحبؒ نے فرمایا کہ میں زیادہ دن تک انگریزوں کو ہندوستان میں دیکھنا نہیں چاہتا انھیں جلدی ہی ہندوستان چھوڑ کر جانا ہوگا۔

اس واقعہ سے جہاں ہندستان کی آزادی کی پیشین گوئی کا پتہ چلتا ہے وہیں باباصاحب کی انسان دوستی اور مذہبی رواداری کا حال معلوم ہوتا ہے۔

باباصاحبؒ انسان دوست تھے۔ ان کیلئے ہندو مسلمان عیسائی سب برابر تھے اور سب مذاہب کی عزت کرتے تھے۔ وہ انسانیت سے محبت کرتے تھے اور خدا کی ذات میں اس قدر جذب ہو چکے تھے کہ خدا کو ان کی بات ماننی پڑتی تھی۔

باباصاحبؒ کی ہمہ گیر مقبولیت: رام غلام پانڈے باباصاحبؒ کے عقیدت مند تھے وہ پنجاب سے ایک اعلیٰ نسل کی بھینس لائے تھے۔ اس کے ساتھ ایک کٹیا بھی تھی۔ ایک دن وہ کٹیا مر گئی۔ پانڈے جی اس کے غم میں تھے۔ بہت سے لوگ افسوس ظاہر کرنے کے لئے آئے۔ کسی نے کہا اسے باباصاحب کے پاس لے جاؤ وہ مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں۔ اسی وقت باباصاحبؒ کی بگھی اس راستے سے گذر رہی تھی۔ آپ نے بگھی رکوائی اور اتر کر اس بچھڑی کے پاس آئے اور زور سے ایک لات اس مری ہوئی کٹیا پر ماری۔ آپ کے قدموں کی برکت سے بچھڑی زندہ ہو گئی اور رام غلام پانڈے نے اس کرامات کو دیکھ کر باباصاحب کے معتقد ہو گئے۔

مردہ تتلی زندہ ہوئی: ناگپور میں جمشید نام کا ایک پارسی رہتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک خوبصورت تتلی پانی کے تالاب میں مردہ پڑی ہے۔ اس نے پانی سے مردہ تتلی کو باہر نکالا اور ایک لمحہ کیلئے دل میں خیال آیا کہ باباصاحبؒ نے بہت سے مردہ جانوروں کو زندہ کیا ہے۔ کیا وہ اس تتلی کو زندہ نہیں کریں گے۔ یہ سوچ کر وہ تتلی کو کمرے میں لائے اور

باباصاحبؒ کی تصویر پر اسے رکھ دیا۔ اسی رات اس نے خواب میں باباصاحبؒ کو دیکھا جنھوں نے فرمایا کہ تو نے ایک نہیں سیکڑوں تتلیوں کو بچایا ہے۔ جمشید جی نے صبح کو دیکھا کہ نہ صرف وہ تتلی زندہ ہو گئی تھی بلکہ اس نے سیکڑوں انڈے بھی دے دیئے تھے جنھیں اس نے ایک پھول دان میں رکھ دیا۔

عبد الغفار کی عمر دراز کی: ناگپور کے ایک پھل فروش ابوالحسن بیان کرتے ہیں کہ ان کا چھوٹا بھائی عبد الغفار جب شیر خوار بچہ تھا سخت بیمار پڑ گیا۔ ڈاکٹروں نے اس کے مرض کو لاعلاج قرار دیا۔ ان کی والدہ بچہ کو لے کر باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ باباصاحب نے بچہ کو دیکھ کر فرمایا۔ "بھائی جاتا ہے تو جانے دے۔"

باباصاحب کے الفاظ سن کر والدہ بہت دکھی ہوئیں۔ بابا کے پیر پکڑ لئے اور گڑگڑانے لگیں۔ بابا کو ان پر رحم آگیا اور فرمایا۔ "لاؤ کتاب۔" ایک لمحہ خاموش رہ کر فرمایا۔ "اس کی عمر بیس سال لکھ دی ہے۔ لے جا اسے۔"

ماں بچے کو گھر لے گئی وہ بالکل تندرست تھا اور بیس سال تک زندہ رہنے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

چائے فروش زندہ ہو گیا: تاج آباد ناگپور میں گلاب نام کا ایک چائے فروش تھا جو تھوڑی سی بیماری کے بعد مر گیا۔ بابا صاحبؒ کے خدام نے اس کو دفن کرنے کی اجازت مانگی۔ باباصاحبؒ کچھ عرصہ کے لئے مراقبے میں چلے گئے اور تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھول کر گلاب کے زندہ ہونے کی خوشخبری سنائی۔ گلاب اپنی جھونپڑی میں بیٹھا لوگوں

سے باتیں کر رہا تھا۔ جب لوگوں نے اس سے مرنے کے بعد کا واقعہ دریافت کیا تو گلاب نے بیان کیا کہ ایک بہت بڑی مجلس درویشوں اور ولیوں کی بیٹھی ہے جس کی صدارت پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔ بابا تاج الدین نے حضرت ﷺ سے گلاب کے دنیا میں بھیجنے کی درخواست کی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "ایک بار جو آدمی دنیا سے چلا آیا اسے دوبارہ زندگی عطا نہیں ہو سکتی۔ روح جب ایک بار جسم سے جدا ہو گئی تو اسے واپس بھیجنا ناممکن ہے؟

بابا تاج الدین صاحبؒ نے دوبارہ کچھ اس طرح درخواست کی کہ حضرت محمد صاحب ﷺ گلاب کو دوبارہ بھیجنے پر راضی ہو گئے۔ اس طرح گلاب کو دوبارہ زندگی ملی۔

ایک یہودی بچہ پر باباصاحبؒ کی نظر کرم

: موسیٰ کا نام ایک یہودی ریلوے میں گارڈ تھا۔ اس کا بچہ آخری سانسیں لے رہا تھا۔ بچہ کی ماں بچہ کو لے کر باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اسے باباصاحبؒ کے قدموں میں ڈال دیا۔ باباصاحبؒ نے بچہ اٹھا کر پھینک دیا۔ مایوس ماں کے منہ سے چیخ نکل گئی مگر جب اس نے دیکھا کہ بچہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا بلکہ وہ زندہ اور تندرست ہو گیا تو بابا کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ باباصاحبؒ کی دعا سے وہ بچہ بڑا ہو کر صوفی بن گیا۔

بابا صاحبؒ کی تصویر کے اثرات:

پرشوتم ابوچاندواڑہ (سی۔پی) کے ایک فرم میں منیجر تھے۔ ایک دن باباصاحبؒ کی

تصویر سامنے رکھ کر مراقبہ میں چلے گئے۔ اس کے بعد ان پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ آنیوالوں کو بغیر کہے ہوئے ہی ان کے راز بتانے لگے اور ان کے حل بھی ساتھ ساتھ بتاتے جاتے تھے۔ سینکڑوں لوگ ان کے پاس آتے اور اپنے مسائل اور ان کے حل جان کر ان سے فیض اٹھاتے تھے۔

ایک اور واقعہ: محمد یامین کی چچی صوفی سنتوں پر انتہائی عقیدت رکھتی تھیں۔ ان کے بھائی محمد شبیر پر کسی نے جادو کرادیا۔ ان کا سارا خاندان پریشانی میں مبتلا ہو گیا۔ ایک رات وہ درود شریف پڑھ کر باباصاحبؒ کا خیال کر کے سو گئیں۔ رات کو خواب میں باباصاحب تشریف لائے اور انھیں بتایا کہ تمہارے تکیہ کے نیچے ایک لاکٹ ہے اس میں میری تصویر ہے اس تصویر کو مریض کے گلے میں ڈال دو۔ سو کر اٹھنے پر انھوں نے تکیہ کے نیچے تعویذ پایا اور اسے اپنے بھائی کے گلے میں ڈال دیا۔ تعویذ کا پڑنا تھا کہ محمد شبیر پر سے جادو کا اثر زائل ہو گیا اور وہ معمول پر آگئے۔

چتا سے واپسی: عباسی صاحب ایک ریٹائرڈ ڈاکٹر مویشی نے ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ ایک ہندو کی ارتھی شمشان گھاٹ لے جائی جارہی تھی۔ باباصاحبؒ اس ارتھی کے پیچھے چل پڑے لیکن جیسے ہی ارتھی کو چتا پر رکھا گیا باباصاحبؒ نے اس مردہ شخص کو گالیاں دینی شروع کر دیں اور اسے اٹھ کھڑا ہونے کا حکم دیا۔ وہ مردہ شخص چتا پر کھڑا ہو کر تعجب سے سب کو دیکھنے لگا۔ لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور سب اس شخص کو لے کر خوشی خوشی گھر لوٹ گئے۔

ایک عالم باباصاحبؒ کی عظمت کے قائل ہوئے:

حکیم شاہ زماں خاں صاحب ناگپور کے ایک نامور طبیب اور عالم تھے۔ مصر کے جامعہ اظہر میں مدرس رہ چکے تھے۔ ناگپور کے رئیسوں کے طبیب تھے۔ بڑے بڑے لوگ علاج کی غرض سے آتے تھے لیکن عالم ہونے کی وجہ سے کسی صوفی یا ولی پر اعتماد نہیں رکھتے تھے اور غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ ناگپور کے مشہور مسلم لیگی لیڈر نواب صدیق علی خاں ان کے دوستوں میں سے تھے۔ وہ باباصاحبؒ کے عقیدت مند اور بابا صاحبؒ کے دربار میں حاضری دینے والے تھے۔

نواب صدیق علی ایک دن گاڑی لے کر حکیم صاحب کے پاس پہنچے اور باباتاج الدینؒ کے پاس چلنے کو کہا۔ حکیم صاحب نے عجیب سا منہ بنایا اور انکار کر دیا۔ تب نواب صاحب نے کہا کہ آپ باباؒ کے پاس نہ جایئے گا بلکہ الگ بیٹھے رہئے گا۔ میں دربار میں قدمبوسی کر کے واپس آجاؤں گا اور پھر ساتھ ساتھ گھومنے چلیں گے۔

حکیم صاحب راضی ہو گئے۔ شکردرا پہنچ کر نواب صاحب تو اندر چلے گئے مگر حکیم صاحب باہر گاڑی میں بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب ان کے دل میں آئی چلو دیکھیں ماجرا کیا ہے۔ یہ سوچ کر اندر داخل ہوئے۔ باباصاحبؒ انھیں دیکھ کر فرمایا "سبحان اللہ کیسی بلاغت تم نے پائی لیکن اللہ تعالیٰ کی حقیقت نہ جان سکے۔ تم نے مذاہب کے کتب خانے کھنگال ڈالے

لیکن اس نظر کی طرح جو قرآن کو صحیح نہ پڑھ سکے۔"

ایسا کہہ کر باباصاحبؒ چل دیئے مگر حکیم صاحب کے ہوش وحواس ساتھ چھوڑ گئے بس ایک ٹک دیکھتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد جب ہوش آیا تو پشیمان ہوئے "واقعی میں دھوکے میں تھا۔ باباصاحبؒ تو ولی کامل ہیں۔" آگے بڑھے اور باباصاحبؒ کے قدموں سے لپٹ گئے۔ آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے اور تاحیات شکردرا میں حاضری دیتے اور باباؒ کی قدمبوسی کرتے رہے۔

تحصیل دار کی دنیا بدل ڈالی: مہاراجہ قرولی کے گرو پنڈت خاندان سے تھے اور کبھی ناگپور کے تحصیل دار تھے۔ ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا تھا جنھیں وہ بہت پیار کرتے تھے۔ ان کے رشتہ داروں نے دوسری شادی کرنے پر زور دیا تو انھوں نے کہا جب تک میں مطمئن نہ ہو جاؤں کہ دوسری شادی میرے لئے کامیاب رہے گی میں دوسری شادی نہیں کروں گا۔ ان دنوں ناگپور میں بابا تاج الدین صاحبؒ کی بہت شہرت تھی۔ بچے، بوڑھے، جوان ہندو اور مسلمان سب ہی باباؒ سے محبت کرتے تھے۔ اس لئے انھوں نے باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا فیصلہ کیا اور سوچا اگر باباصاحبؒ ان کی پیاس بجھائیں تو یقینی طور پر وہ ولی ہیں نہیں تو میں لوٹ جاؤں گا۔

تحصیل دار اپنے اردلیوں کے ہمراہ باباصاحبؒ کے دربار میں حاضر ہوئے اور باباصاحبؒ کی خدمت میں کیلوں کی ٹوکری پیش کی اور خاموش بیٹھ گئے۔ تحصیل دار صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے بابا نے کہا ہم نے بھی

شادی نہیں کی اس لئے تمہارے لئے دوسری شادی کرنا بہتر نہیں ہوگا۔ باباصاحبؒ نے ایک کیلا طلب کیا۔ آدھا کھا کر آدھا تحصیل دار صاحب کو دے دیا۔ چونکہ وہ ذات کے پنڈت تھے اس لئے ایک مسلمان کا جھوٹا کھاتے ہوئے ہچکچاہٹ ہو رہی تھی۔ پھر بھی نہ جانے کیسے انھوں نے وہ کیلا نگل لیا۔

کیلے کا نگلنا تھا کہ ان کی دنیا ہی بدل گئی۔ ہوش کھو بیٹھے اور عجیب و غریب حرکتیں کرنے لگے۔ ان کے رشتہ دار گھر پر لے آئے اور ان کو پاگل سمجھ کر گرم لوہے کے داغ دینے لگے مگر کوئی اضافہ نہ ہوا۔ زنجیروں میں جکڑے ہوئے پنڈت جی کو بابا کے سامنے لایا گیا۔ باباصاحبؒ نے حکم دیا زنجیروں کو کھول دو، یہ بالکل ٹھیک ہے۔ اب یہ تحصیل دار نہیں ہے لیکن بہت جلد تحصیل دار اس کی جوتیاں اٹھائیں گے ان کو پوجا کرنے کی تلقین کر کے رخصت کیا۔ واقعی وہ اتنے بڑے سادھو ہو گئے کہ مہاراجہ قرولی اور پنڈت درگا پرشاد ناگپور کے تحصیل دار تھے ان کے جوتے اٹھانا اپنے لئے قابل فخر سمجھتے تھے۔

کرکٹ کھلاڑی سی۔کے۔نائیڈو اور باباصاحبؒ :

ناگپور کے محلّہ موہن نگر میں نائیڈو خاندان رہتا تھا۔ وہ سب بابا صاحبؒ سے عقیدت رکھتے تھے۔ اس خاندان میں ایک تو بالکل باباصاحبؒ کے رنگ میں رنگ گئے تھے اور بابا نائیڈو کے نام سے ناگپور میں مشہور ہو گئے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد انھیں شکر درا میں ہی دفن کیا گیا۔ انھی کے چھوٹے بھائی سی۔کے۔نائیڈو جب اسکول میں پڑھتے تھے تو ایک دن

کرکٹ کھیلنے میدان کی طرف جارہے تھے۔ بابا کی بگھی دیکھ کر اس کے پیچھے دوڑنے لگے۔ جب یہ بگھی کے پاس پہنچے تو بابا نے اپنے گلے سے ایک ہار نکال کر ان کے گلے میں ڈال دیا۔ انھوں نے بابا کا تبرک سمجھ کر وہ ہار اپنے بلے کے ہینڈل میں لپیٹ لیا اور کرکٹ کھیلنے کھڑے ہوگئے۔ پہلی ہی گیند پر اپنی زندگی کا پہلا چھکا مارا اور اس دن کچھ ایسا کھیل دکھایا کہ سب دنگ رہ گئے۔ اس دن سے اس ہار کا ڈورا ان کے بلّے سے ہمیشہ لپٹا رہا۔ انگلینڈ کے دورے میں اس بلے سے مارا ہوا چھکا کرکٹ کی تاریخ میں امر ہو گیا اور سی۔ کے۔ نائیڈو ہندوستان کے بہترین کھلاڑیوں میں شمار ہونے لگے۔

مہاراجہ جے پور کی وفات کی پیشین گوئی:

ڈاکٹر عبدالحلیم مہاراجہ جے پور کے ذاتی معالج تھے۔ ایک بار جب مہاراجہ بیمار پڑے اور کسی دوا نے اثر نہیں دکھایا تو یہ سمجھ لیا گیا کہ مہاراجہ پر جادو کا اثر ہے اس لئے یہ طے کیا گیا کہ کسی ایسے کامل فقیر کی تلاش کی جائے جو مہاراجہ پر سے جادو کا اثر دور کر دے۔ اس لئے ایک ایسے راز دار کی ضرورت تھی جو سارے ہندوستان سے کسی ایسے فقیر کو تلاش کر کے لائے (سید عیسیٰ جو نائب تحصیل دار تھے) کا نام پیش کیا جسے مہاراجہ نے پسند کیا۔ جانے کے لئے ٹکٹ کا بندوبست کر دے۔ محمد عیسیٰ نے اسے منجانب اللہ

سید محمد عیسیٰ بلائے گئے اور کافی رقم دے کر ان کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ انتہائی رازداری کے ساتھ اس کام کو انجام دیں۔ سید محمد عیسیٰ جے پور سے اجمیر شریف پہنچے اور خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزار پر حاضری

دی اور مہاراجہ کے لئے تہہ دل سے دعا کی اور اسٹیشن کے لئے روانہ ہو
مگر ابھی کوئی منزل ان کے سامنے نہیں تھی۔ اتنے میں ایک ٹکٹ کلکٹ
کے پاس آیا اور دریافت کیا کہ کیا وہ ناگپور جانا چاہتے ہیں؟ اگر ایسا ارادہ ہو
جانے کے لئے ٹکٹ کا بندوبست کر دے۔ محمد عیسیٰ نے نے اسے منجانب
سمجھا اور ناگپور کا ٹکٹ خرید کر اجمیر سے ناگپور کے لئے روانہ ہو گئے۔ نا
پہنچ کر انھوں نے جب لوگوں سے اپنا مقصد بیان کیا تو ان کو مشورہ دیا گ
وہ بابا تاج الدین صاحبؒ سے ملیں یقیناً ان کا مقصد وہ پورا کر دیں گے۔

شکر درا پہنچ کر سید محمد عیسیٰ بہت پریشان ہوئے کیونکہ ہزارو
تعداد میں عقیدت مند صرف بابا صاحبؒ کی ایک جھلک دیکھنے کے
جھونپڑیوں میں پڑے ہوئے تھے۔ وہ سوچنے لگے کہ مجھے باباصاحبؒ
جانے میں کافی دن لگ جائیں گے اتنے میں باباصاحبؒ کا ایک خادم ان
طرف آیا اور آواز لگائی عیسیٰ کون ہے، باباصاحبؒ نے انھیں بلایا ہے۔ ا
عیسیٰ کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ سب کیسے ہو گیا۔ اتنی ہی دیر میں دوبارہ انکی نا
پکار پڑی اور وہ خادم کے ساتھ بابا کے دربار میں حاضر ہوئے۔ باباصاحب
آنکھیں بند تھیں۔ مہاراجہ راگھوجی بھونسلے ایک انگریز افسر اور ممبئی
ایک مشہور تاجر وہاں ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ سید محمد عیسیٰ کا جسم کا
لگا اور وہ باباصاحبؒ کے قدموں میں گر پڑے اور دل ہی دل میں اپنے آ
مقصد دہرایا۔ باباصاحبؒ نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا کہ مہاراجہ پر کوئی
کا اثر نہیں ہے۔ ان کی موت قریب ہے اور وہ صرف چند دن کے مہم

ہیں۔ عیسیٰ ان الفاظ سے اتنے مطمئن ہوئے کہ انھوں نے طے کر لیا کہ اب کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے واپس لوٹ کر مہاراجہ کو یہ سب بتانا ہوگا۔ باباصاحبؒ نے مشورہ دیا کہ خوب گھوموپھرو اور جو رقم تمہارے پاس ہے دل کھول کر خرچ کرو۔ ممبئی کے تاجر کی پیش کی ہوئی چاندی کی تھالی میں مٹھائی دے کر کہا اسے ڈاکٹر عبدالحلیم کیلئے لے جاؤ اور ان کو خط لکھ دو کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے راجہ صاحب کی وصیت تیار کرالو۔

سید محمد عیسیٰ نے باباصاحبؒ کے حکم کی تعمیل کی مگر راجہ صاحب کی موت کی پیشین گوئی جان بوجھ کر نظرانداز کردی۔ تب باباصاحبؒ نے ڈاکٹر عبدالحلیم کو اسی رات خواب میں سب کچھ بتادیا اور کہا کہ موت ایک اچھی چیز ہے اس سے ڈرنا نہیں چاہئے۔ صبح اٹھ کر ڈاکٹر صاحب نے وہ تاریخ اور باباصاحبؒ کی پیشین گوئی نوٹ کرلی اور راجہ صاحب سے وصیت تیار کرالی۔

ادھر محمد عیسیٰ باباصاحبؒ سے اجازت لے کر کلکتہ روانہ ہوگئے اور کالی کے مندر میں جاکر پجاری سے ملے جس نے ایک مسلمان کو اس کام کے لئے بھیجنے پر راجہ صاحب کو بے وقوف کہا اور ساتھ چلنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ ان کے کام کے قابل نہیں تھا اس لئے اس نے دھرم تلہ مسجد کے سامنے بیٹھے ہوئے فقیر کے پاس جانے کا مشورہ دیا۔ فقیر نے آنکھیں نیچے کئے ہوئے محمد عیسیٰ کو ڈانٹ پلائی کہ اتنے بڑے زندہ پیر کے پاس سے آکر وہ ادھر اودھر بھٹک رہا ہے۔ باباتاج الدینؒ اصل میں اس وقت کے سب سے بڑے ولی ہیں۔ محمد عیسیٰ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور فوراً جے پور کے لئے

روانہ ہو گئے۔ جب عیسیٰ جے پور میں پہنچے تو مہاراجہ کی وفات ہو چکی تھی اور ان کے اعزاز میں توپیں داغی جا رہی تھیں۔

گاندھی جی اور بابا تاج الدینؒ:

گاندھی جی اکثر باباصاحبؒ کے پاس آیا کرتے تھے اور باباصاحبؒ ان کو ڈانٹا کرتے تھے پھر بھی گاندھی جی کی عقیدت کم نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ باباصاحبؒ کی مذہبی رواداری تھی۔ گاندھی جی خود بھی ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے۔

ایک بار ناگپور میں ایک بہت بھاری جلسہ تھا۔ علی برادران اس جلسے کو خطاب کرنے والے تھے۔ گاندھی جی بھی اس جلسہ میں آئے اور باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضری دی۔ بابا صاحبؒ نے فرمایا" ہم نے ۸۰۰ کوؤں کو اڑا دیا ہے۔" رات کو جلسہ میں ایک پارٹی سے ۸۰۰ آدمی اپنی پارٹی چھوڑ کر گاندھی جی سے جا ملے۔ تب گاندھی جی کی سمجھ میں بابا تاج الدینؒ کی بات آئی۔

ایک اور موقع پر باباصاحبؒ نے گاندھی جی کو ایک جھاڑو لے کر پہاڑ پر چڑھ جانے کو کہا۔ دراصل یہ ہندو مسلم اتحاد اور انگریزوں کے بھارت چھوڑ دینے کی پیشین گوئی تھی جو سچ ثابت ہوئی۔

علی برادران (محمد علی اور شوکت علی) کی بابا سے ملاقات:

مولانا محمد علی اور ان کے بھائی شوکت علی نے خلافتؔ تحریک شروع کی تھی۔ اسی سلسلہ مین وہ ناگپور آئے تو انھوں نے مہاراجہ راگھوجی سے درخواست کی کہ وہ ان کی باباتاج الدینؒ سے ملاقات طے کرادیں۔ راجہ

صاحب بہت گھبرائے کیونکہ باباصاحبؒ کا دربار عام تو سب کے لئے کھلا تھا جو جب چاہے ان سے ملنے کے لئے آسکتا تھا۔ باباصاحب نے ان کی الجھن کو دفع کرنے کے لئے راجہ صاحب سے خود کہلا بھیجا کہ وہ جمعہ کے دن ۴ بجے شام کو علی برادران ساتھ آکر ان کے ساتھ چائے پئیں۔ راجہ صاحب نے باباکا یہ پیغام علی برادران کو پہنچادیا۔ جمعہ کے دن شام کو ۴ بجے ایک بڑی ٹی پارٹی کا انتظام کیا گیا۔ باباصاحبؒ کے حکم سے چائے منگوائی گئی اور سب کو تقسیم کی گئی مگر علی برادران ۵ بجے تک نہیں آئے۔ تب باباصاحبؒ اپنی بگھی سے شہر کی طرف روانہ ہوگئے۔ دوسری طرف سے علی برادران کی گاڑی آرہی تھی جب قریب آئے تو کوچوان رام چندر نے بگھی کو روک دیا۔ علی برادران گاڑی سے اتر کر باباصاحبؒ کے پاس آئے تو باباصاحبؒ نے رام چندر کے ذریعہ ان کو ہار دلوائے اور دروازہ دکھانے کو کہا۔ علی برادران کی سمجھ میں باباکی بات نہیں آئی لیکن جب کچھ لوگوں نے ان کا ساتھ چھوڑا اور علی برادران کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا تو ان کی سمجھ میں ساری بات آگئی۔ باباصاحبؒ نے ایک مرتبہ مولانا محمد علی جوہر کو یہ بھی بتایا تھا کہ ان کی آخری منزل لندن ہے اور یہ بات بھی سچ ثابت ہوئی کیونکہ مولانا محمد علی کی وفات لندن میں ہی ہوئی۔

سابق نائب جمہوریہ جسٹس ہدایت اللہ صاحب کے تاثرات:

جسٹس ہدایت اللہ صاحب بمبئی ہائی کورٹ کے چیف جسٹس پھر سپریم کورٹ کے چیف جسٹس اور سب سے آخر میں نائب صدر جمہوریہ بنے۔ انھوں نے اپنی خود نوشت سوانح حیات

میں تحریر کیا ہے کہ بابا تاج الدین صاحبؒ کی نظر مجھ پر بچپن سے رہی ہے اور انھیں کے فیض سے میں شہرت اور عزت کی اس بلندی پر پہنچا ہوں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ میں ۱۱یا ۱۲سال کا رہا ہوں گا جب میں نے باباصاحبؒ کا دیدار کیا تھا۔

ان کے والد جناب ولایت اللہ صاحب کافی مالدار اور مشہور شخصیت تھے۔ چنڈواڑہ میں ان کی بہت بڑی کوٹھی تھی۔ ایک دن وہ اپنے دوستوں کے ساتھ اپنے گھر کے آنگن میں کھیل رہے تھے کہ فقیروں کا ایک گروہ گاتا بجاتا بنگلہ میں داخل ہوا۔ اس وقت ان کے والد صاحب اپنے کسی دوست کے ساتھ برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ فقیروں کو دیکھ کر بچے ادھر اُدھر چھپ گئے اور ہدایت اللہ نے اپنی والدہ کے آنچل تلے پناہ لی۔ فقیر سیدھے برآمدے پر آکر رکے اور بولے ہمیں باباتاج الدینؒ نے بھیجا ہے۔ باباصاحب نے بیڑی کا یہ ٹکڑا ولایت اللہ خاں صاحب کے چھوٹے بیٹے ہدایت اللہ کے لئے بھیجا ہے اور اس کے ساتھ ان کے لئے باباصاحب کا ایک حکم بھی ہے "اس کی قلم کرتے اور ہاتھی کی سواری کرتے۔" یہ کہہ کر کاغذ میں لپیٹا ہوا بیڑی کا ٹکڑا ہدایت اللہ کو پکڑادیا۔

ہدایت اللہ صاحب کی والدہ پیروں، ولیوں اور فقیروں سے بہت عقیدت رکھتی تھیں انھوں نے بیڑی کے اس ٹکڑے کو سر آنکھوں سے لگایا اور ریشم کے ایک کپڑے میں سی کر ہدایت اللہ صاحب کو تعویز کی طرح پہنادیا۔ اس دن سے وہ تعویز لگاتار ان کے پاس رہا اور وہ ترقی کرتے گئے۔

مہاراجہ اندور اور بابا صاحبؒ : مدار بخش

صاحب قادری مہاراجہ اندور کے ملازم تھے۔ مہاراجہ اندور کا ایک اور ہندوستانی ریاست سے تنازعہ چل رہا تھا اور مقدمہ اس زمانہ کی پریوی کونسل میں زیر سماعت تھا۔ سماعت کی تاریخ قریب آرہی تھی مگر مہاراجہ کے وکیل کی تیاریاں مکمل نہیں ہوئی تھیں۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ سماعت کی تاریخ آگے بڑھادی جائے تاکہ تیاری کے لئے کچھ اور وقت مل جائے۔ لیکن تاریخ آگے بڑھانے کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔ اس لئے مہاراجہ بہت پریشان تھے۔ ایسے میں کسی نے مشورہ دیا کہ بابا تاج الدینؒ کی نظر کرم سے ہی یہ مشکل آسان ہو سکتی ہے۔ چناچہ جناب مدار بخش صاحب قادری کو اس مقصد سے شکر درار وانہ کیا گیا۔

جناب مدار بخش صاحب باباصاحبؒ کے دربار میں پہنچے وہاں عقیدت مندوں اور ارادت مندوں کا ایک جم غفیر تھا۔ مہاراجہ راگھوجی کی طرف سے مقرر پہلوانوں نے مدار بخش صاحب کو بابا کے پاس جانے سے روک دیا۔ مدار بخش صاحب کو بہت غصہ آیا ایک تو وہ خود پہلوان تھے دوسرے قادری فرقہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ان کو اپنے اوپر ناز تھا اس لئے وہ دل میں تہیہ کر کے کہ جب تک بابا خود چل کر نہیں آئیں گے میں یہاں سے نہیں ٹلوں گا اسی جگہ بیٹھ گئے۔ دن گذرا، رات آئی۔ آدھی رات گذر جانے کے بعد باباصاحبؒ ان کے پاس آکر بیٹھ گئے اور ان کو واپسی طرف جانے کا حکم دیا اور فقیروں سے ضد نہ کرنے کا مشورہ دیا۔

مدار بخش صاحب نے بابا کے حکم کی تعمیل کی۔ وہ شریعت اسلام کے
پابند تھے لیکن انھوں نے باباصاحبؒ کے عقیدت مندوں کو بالکل برہنہ
دیکھا تو انھیں بہت تعجب ہوا۔ وہ اس فکر میں پڑ گئے کہ باباصاحبؒ نے کس
شخص کے پاس جانے کو کہا ہے۔ لوگوں سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ محمد حسین
باباہی وہ شخص ہیں جن کے پاس باباتاج الدینؒ نے ان کو بھیجا ہے۔ محمد حسین
باباحالانکہ ہر وقت پورے لباس میں رہتے تھے۔ لیکن جب انھوں نے مدار
بخش کو اپنی طرف آتے دیکھا تو جلدی جلدی کپڑے اتارنے شروع کر
دیئے۔ یہاں تک کہ بالکل برہنہ ہو گئے۔ دریافت کرنے پر انھوں نے بتایا
کہ ایک مولوی صاحب تشریف لارہے ہیں۔ مدار بخش نے جب دروازے
پر دستک دی۔ ایک عورت نے دروازہ کھولا اور ان کو اندر آنے کے لئے
کہا۔ یہ اندر داخل ہو گئے تو بابا محمد حسین نے ان کو اپنے پاس بیٹھالیا۔ مدار
بخش صاحب نے پہلے ان کو کپڑے پہنائے اور پھر اپنا مقصد بیان کیا۔ محمد
حسین بابانے اپنے سامنے سے ایک پلیٹ اٹھائی اور مدار بخش صاحب سے
دوبارہ مقصد بیان کرنے کو کہا۔ مدار بخش صاحب نے عرض کی کہ مہاراجہ
چاہتے ہیں کہ ان کے مقدمہ کی تاریخ چھ ماہ کے لئے بڑھادی جائے۔ اس پر
محمد حسین بابانے دریافت کیا اور کچھ تو نہیں۔ مدار بخش نے جواب دیا "جی
نہیں۔" تب محمد حسین بابانے پلیٹ الٹی کر کے رکھ دی اور کہا "جاؤ تاریخ چھ
ماہ بڑھادی گئی۔" یہ سن کر مدار بخش صاحب اندور واپس چلے آئے اور
مہاراجہ کو خوشخبری سنائی۔ اسی دن لندن سے بھی مہاراجہ کو چھ ماہ تاریخ

بڑھا دیئے جانے کی اطلاع ملی۔

بیگم صاحبہ بھوپال کا کھانا: ایک مرتبہ بھوپال کی بیگم صاحبہ عمدہ عمدہ کھانے تیار کرا کے باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو ان کے دل میں خیال آیا کہ باباصاحبؒ آج ایسا عمدہ کھانا کھائیں گے جو آج تک آپ نے نہیں کھایا ہوگا اور نہ کوئی دوسرا کبھی بابا کو کے لئے ایسا کھانا لایا ہوگا۔ جب کھانا حضور باباصاحبؒ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو بابا نے بیگم صاحبہ کے دل کے الفاظ دہرائے اور کہا کہ یہ کھانا ہمارے لئے بیکار ہے۔ بیگم صاحبہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ بہت شرمندہ ہوئیں۔

نظام حیدرآباد اور بابا صاحبؒ: مہاراجہ ہرکشن پرشاد ریاست حیدر آباد کے دیوان تھے اور بابا تاج الدینؒ کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔ ایک مرتبہ جب وہ باباصاحبؒ کا دیدار کرنے آئے تو نظام حیدر آباد کی طرف سے باباصاحبؒ کی خدمت میں ایک زمین کے کاغذات پیش کئے۔ باباصاحبؒ نے وہ فرمان پھاڑ ڈالا اور کہا کہ نظام ہمیں زمین کا وہ ٹکڑا دینا چاہتا ہے جس کے ہم پہلے سے ہی مالک ہیں۔ ہم ہی نے نظام کو وہ زمین دی ہے۔"

سنت گجانن مہاراجہ اور بابا تاج الدینؒ: مہاراجہ راگھوجی کے چنندہ سرداروں میں دو سردار بہت مشہور ہوئے ہیں۔ ایک تھے پورن چند پروٹی اور دوسرے گنگا دھر راؤ چٹنس ۔ دونوں ہی

بزرگوں سے عقیدت رکھتے تھے۔ جس زمانہ میں بابا تاج الدین صاحبؒ ناگپور میں جلوہ افروز تھے اسی زمانہ میں شیگاؤں ضلع بلڈانہ میں سنت گجانن مہاراج اپنی روحانیت سے عوام کو فیض یاب کر رہے تھے۔ ایک بار سوامی گجانن مہاراج ناگپور تشریف لائے اور جناب پورن چندر جی کے محل میں قیام کیا۔ عقدت مندوں کو یہ معلوم ہوا تو ان سے فیض حاصل کرنے کے لئے سیکڑوں کی تعداد میں امڑ پڑے۔ گنگا دھر راؤ چٹنس بھی ایک دن ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کو دیکھتے ہی سوامی جی نے فرمایا۔ "تو کیوں یہاں آیا ہے ہم تو خود تیرے گھر میں موجود ہیں۔" یہ سن کر وہ الٹے پاؤں گھر لوٹ گئے۔ گھر جا کر دیکھا تو دیوان خانہ میں بابا تاج الدینؒ بالکل اسی انداز میں بیٹھے ہوئے تھے۔ گنگا دھر راؤ کچھ بولتے اس سے پہلے ہی باباصاحبؒ نے فرمایا۔ "ہوں جی ہمیں نے تو وہاں سے یہاں بھیجا ہے۔"

گنگا دھر راؤ بہت متاثر ہوئے اور دوڑ کر باباصاحبؒ کے قدموں میں گر پڑے۔ اس دن بابا صاحب حضورؒ کافی دیر تک گنگا دھر راؤ کی حویلی میں رہے۔ گنگا دھر راؤ نے بڑی عقیدت سے ان کی خاطر مدارات کی اور ان کے ساتھ باباصاحب کے کوچوان ہیرالال اور پہلوانوں کی بھی خاطر کی جو مہاراجہ راگھوجی کی طرف سے باباؒ کی خدمت پر مامور تھے۔ دودھ اور پھلوں سے سب کی تواضع کی جسے تاج الدین باباؒ نے بڑی رغبت سے تناول فرمایا۔ اس دن سے گنگا دھر راؤ کے دل میں ایسی عقیدت پیدا ہوئی کہ وہ بار بار شکر دراحاضری دینے لگے۔

باب ۶

تاج آباد کی بنیاد

حضور باباصاحبؒ شکر درا میں مہاراجہ راگھوجی کے لال محل میں قیام کئے ہوئے تھے۔ ہزاروں کی تعداد میں ارادت مند اور عقیدت مند روزانہ دیدار کرنے کے لئے آتے۔ جن میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی، پارسی اور سب ہی مذاہب کے لوگ ہوتے۔ امیر، غریب اور فقیر سب ہی طبقے کے لوگ حاضری دیتے۔ بہت سے وہیں جھونپڑے بنا کر پڑے رہتے۔ مہاراجہ کی طرف سے سب کیلئے اچھا مناسب انتظام تھا۔

چڑھاوے اور نذرانہ میں روپیہ، کپڑا، مٹھائیاں اور کھانے کی چیزیں کافی آتی تھیں۔ ان میں سے مٹھائیاں تو روزانہ ہی تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ کپڑا سال میں ایک مرتبہ رمضان میں تقسیم ہوتا۔ روپیہ میں سے ایک حصہ باباصاحب کے ماموں اور ماموں زاد بھائی کو مل جاتا۔ باقی رقم میں سے خدمت گاروں کو تنخواہ ملتی اور جو کچھ بچا رہتا باباصاحبؒ کے لنگر میں شامل کرلیا جاتا۔

باباصاحبؒ جنھوں نے عمر بھر ہندو، مسلمان یا کسی فرقہ میں فرق نہیں کیا، صرف انسانیت کی خدمت کرتے رہے۔ ان کے لئے مسلمانوں نے ایک کمیٹی بنا ڈالی جس کے صدر نواب نیاز الدین خاں صاحب اور سکریٹری جناب یوسف شریف بیرسٹر بنائے گئے۔ اس کمیٹی نے مہاراجہ پر

مقدمہ دائر کر دیا۔ مقدمہ یہ تھا کہ باباصاحبؒ کو یہاں سے لے جایا جائے۔ مقدمہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں نے اپنے جھونپڑے اٹھانا شروع کر دیئے۔ نزول والوں نے نزول کی زمین خالی کرانی شروع کر دی۔ تب نواب نیاز الدین خاں صاحب نے چھ سات ایکڑ زمین ان لوگوں کو جھونپڑے بنانے کے لئے دے دی۔ جھونپڑے بننے لگے۔ سب سے پہلا جھونپڑا حضرت کریم بابا نے بنایا۔ اس کے بعد منشی جمال الدین، منشی عبد الرشید اور حضرت بابا جلال الدین صاحب وغیرہ نے اپنے جھونپڑے بنائے اور اس نئی بستی کا نام تاج آباد رکھا گیا۔

حضرت باباؒ کا وصال:

جون ۱۹۴۴ء سے باباصاحبؒ کی طبیعت خراب ہوئی۔ دست آئے۔ بخار رہنے لگا۔ ادھر مقدمہ بازی کے بعد باباصاحبؒ نے بالکل چپ سادھ لی اور باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ زیادہ تر اپنے بستر پر پڑے رہتے۔ باباصاحبؒ کی ساری محنت اور ریاضت اکارت جا رہی تھی۔ انھوں نے کتنی کٹھن ریاضت اور محنت سے انسانیت کی خدمت کی تھی اور کبھی مذہب کو آڑے نہیں آنے دیا۔ ان کے عقیدت مند نہ صرف آپس میں بٹ گئے تھے بلکہ باباصاحبؒ کو بھی بانٹنا چاہتے تھے۔

حکیم ظفر صاحب نے اپنے آپ کو باباصاحبؒ کی تیمارداری کے لئے وقف کر دیا۔ مہاراجہ بہادر راگھوجی راؤ نے بھی حکیم اور ڈاکٹر بابا کی خدمت میں لگا دیئے۔

ایک دن آپ کی طبیعت کچھ بحال تھی۔ حضور محل سے باہر نکلے۔ تاج آباد کے لوگوں نے آپ کو اپنے ساتھ لیا اور تاج آباد لے آئے۔ آپ ایک جگہ بیٹھ گئے۔ ایک مٹھی مٹی ہاتھ میں لی اور فرمایا "مٹی اچھی ہے میں یہاں ایک بنگلہ میں رہنا پسند کروں گا۔" پھر فوراً ہی بولے "جھونپڑی بھی چلے گی۔" یہ صاف اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ یہ جگہ آپ نے اپنے مدفن کے لئے پسند فرمائی ہے اور آپ کے وصال کا وقت قریب آرہا ہے۔

ایک ہزار عقیدت مندوں کی بھیڑ قدم بوسی کے لئے بیتاب تھی۔ حضرت کریم بابا آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے انھیں مخاطب کر کے دریافت کیا "تاج العارفین سراج السالکین کون ہے؟"

حضرت کریم بابا نے جواب دیا "حضور آپ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟"

حضرت بابا صاحبؒ بولے "ہوں بابو۔"

پھر تھوڑی دیر بعد فرمایا "عید کا چاند دیکھا یا نہیں؟"

کریم بابا نے کہا کہ عید تو گذر گئی اب تو بقر عید آرہی ہے۔

حضرت بابا نے فرمایا "اب عید کا چاند نہیں دیکھے گا۔"

اس طرح آپ نے صاف کر دیا تھا کہ آپ اس جہان فانی سے کوچ کرنے والے ہیں اور اگلا عید کا چاند نہیں دیکھیں گے۔

اب حضور بابا صاحبؒ کی طبیعت دن بدن خراب رہنے لگی پھر روز شام کو شہر کی طرف گھومنے نکل جاتے۔ بقر عید کا دن آیا۔ خدام نے حسبِ

معمول نیا جبّہ پہنانا چاہا اور نیا عمامہ باندھنے کی درخواست کی مگر حضور نے نہیں مانا نہ ہی شہر کی گلیوں میں گھومنے نکلے۔ پورا مہینہ اسی طرح گذر گیا اور محرم کا چاند نظر آ گیا۔

آخری تعزیہ اٹھایا:

باباصاحبؒ کا یہ دستور تھا کہ ہر سال محرم کی بارہ تاریخ کو ہرے رنگ کا جبّہ پہن کر میدان کربلا کو جاتے۔ مہاراجہ بہادر کی سواری نکلتی۔ آگے پیچھے گھوڑسوار نیزے لئے ہوئے ہوتے۔ باباصاحبؒ کے ساتھ محمد حسین بابا، امیر الدین، خواجہ محی الدین وغیرہ کی گاڑیاں ہوتیں اور چاروں طرف عقیدت مندوں کی بھیڑ ہوتی۔ حضورؒ کی بگھی کے قریب دو نشان بردار ادب سے چلتے تھے۔

اس سال محرم کی ۱۲ تاریخ کو باباصاحبؒ نے علم بردار سے علم اپنے ہاتھ میں لے لیا اور یا حسین یا حسین کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ لوگ جوق در جوق باباصاحبؒ کی قدم بوسی کو آگے آنے لگے۔ ہندو، مسلمان سب ہی باباصاحبؒ کے دیدار کی شراب سے جھوم رہے تھے۔ باباصاحبؒ اشعار پڑھ رہے تھے۔ اس طرح میدان کربلا جاکر باباصاحبؒ شکر درا واپس ہوئے یہ ۲/ اگست ۱۹۲۵ء کا دن تھا۔

کوچ کی تیاری:

۱۵/ اگست ۱۹۲۵ء کو بخار میں اضافہ ہوا۔ شام تک پورے ناگپور میں باباصاحبؒ کی علامت کی خبر عام ہو گئی۔ لوگوں میں بے چینی بڑھ گئی۔ حضور

کے معالج حکیم اور ڈاکٹر اپنی سی کرنے میں کوئی کسر نہ رکھ رہے تھے مگر کوئی افاقہ نہیں ہو رہا تھا۔ چونکہ حضور خود کئی باتوں سے اشارہ کر چکے تھے کہ اب وصال کا وقت قریب ہے اس لئے عقیدت مندوں کے دل دھڑک رہے تھے۔

جب باباصاحبؒ کی حالت بگڑنے لگی تو باباصاحبؒ کی اجازت سے مہاراجہ نے اعلان کرادیا کہ جو کوئی باباصاحب کے آخری دیدار کا خواہاں ہو آسکتا ہے۔

۱۷ر اگست ۱۹۲۵ء کو باباصاحبؒ نے مہاراجہ کو بلایا اور تسلی دیتے ہوئے فرمایا "کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میرا بستر یہاں شکر درا میں ہزاروں سال تک رہے گا۔" اس وقت بے شمار لوگ باباصاحبؒ کے چاروطرف جمع تھے۔ آپ نے سب کے لئے دعا فرمائی اور آنکھیں موند لیں۔ آپ کے چہرے پر ایک عجیب وغریب رونق تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ روح اپنے خالق حقیقی سے ملنے کے لئے بیتاب ہے۔

تھوڑی دیر بعد جب باباصاحبؒ نے آنکھیں کھولیں تو مہاراجہ نے دریافت کیا کہ کیا ملاقاتیوں کو آنے کی اجازت دی جائے؟ حضور نے ہنس کر اجازت دے دی۔ ہزاروں کی تعداد میں دیدار کے طالب قطاریں بنا کر آتے رہے اور آپ آنکھیں موندے اپنے خالق کے خیال میں مگن رہے۔ دن بھر یہ سلسلہ چلتا رہا۔ دور دراز سے عقیدت مند جس کو جو سواری ملی اس کے ذریعہ شکر درا کی طرف آتے رہے۔ ان لوگوں میں ایک سادھو بھی تھا جب

اس نے حضور کے پیروں کو ہاتھ لگایا تو آپ نے آنکھیں کھول دیں اور فرمایا "کیوں بابو ابھی تک یہیں ہو۔" سادھو نے دریافت کیا "کہاں جاؤں سمجھ میں نہیں آتا اس لئے یہیں پڑا ہوں۔"

حضور نے فرمایا "آج ہم جاتے تم کل جانا۔"

آنکھوں میں آنسو بھرے وہ باہر نکل گیا۔

وفات:

دھیرے دھیرے شام اترنے لگی۔ دن بھر کا تھکا ہوا سورج مغرب کے آشیانے کی طرف بڑھنے لگا۔ آج اس کی رفتار بھی سست تھی۔ اچانک آسمان پر بادل چھا گئے۔ ماحول اداس ہو گیا اور آسمان پر سورج نے اپنا منہ چھپا لیا۔ لال محل کے احاطے میں کھڑے درخت خاموش کھڑے تھے اور ان پر بیٹھے ہوئے پرندے بھی چپ سادھے ہوئے تھے۔ حضور نے آنکھیں کھولیں تو سامنے مہاراجہ بہادر ہاتھ جوڑے کھڑے تھے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ باباصاحبؒ اٹھ بیٹھے اور فرمایا "ہوں جی بڑے بھیا روتے کیوں ہو۔" اتنے میں ہیرالال کوچوان گڑگڑا کر بولا "حضور ہم کہاں جائیں گے۔"

اس کی طرف دیکھ کر حضور بولے "ہوں جی تم تو ہمارے آگے آگے ہی رہو گے۔" پھر سب ہی عقیدت مندوں کو محبت بھری نظروں سے دیکھا۔ تسلی دی اور سب کے لئے دعا فرماتے ہوئے پلنگ پر لیٹ گئے۔ ایک کھنکار آئی اور روحِ مبارک جسد خاکی سے آزاد ہو کر عالم بالا کی طرف پرواز کر گئی۔

۱۷/اگست ۱۹۲۵ء مطابق ۲۶/محرم ۱۳۴۴ھ بروز دوشنبہ بوقت مغرب آپ کا وصال ہوا۔ اس طرح آپ کی عمر شریف ۶۶ سال ۶ ماہ اور ۲۱ یوم ہوئی۔

خدا والوں کا مرنا بھی درحقیقت زندہ رہنا ہے
فقط رسم جہاں تھا انتقال بابا تاج الدینؒ

تجہیز و تکفین:

انتقال کے وقت ہزاروں عقیدت مند جمع تھے اس لئے جلد ہی پورے شہر میں یہ خبر پھیل گئی۔ کہرام مچ گیا۔ کیا ہندو کیا مسلمان سب ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ شکر درا میں لوگوں کا تانتا لگ گیا۔ لوگ جوق درجوق حضور کے آخری دیدار کے لئے آنے لگے۔

مہاراجہ بہادر کی خواہش تھی کہ بابا کا مزار ان کے محل کے احاطہ میں ہی بنے لیکن مقدمہ بازوں کی وجہ سے ہنگامہ کھڑا ہو سکتا تھا۔ جو لوگ بابا کی زندگی میں ہی وہاں سے باباصاحبؒ کو لے جانا چاہتے تھے کس طرح گوارہ کرتے کہ باباصاحبؒ کا مزار محل میں بنے۔ اس لئے مہاراجہ خاموش رہے۔

حضور کے مریدوں نے اس جگہ کی نشاندہی کی جہاں کی مٹی حضور نے سونگھ کر پسند فرمائی تھی اور اپنا بنگلہ بنوانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اس جگہ قبر کھودی گئی۔ شہر کی مسجد سے جنازہ کی مسہری منگوا کر اس میں دو بلیاں باندھی گئیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو کاندھا دینے کا موقع مل سکے۔ حضور کے جسد خاکی کو گلاب اور عطر کے پانی سے غسل دیا گیا اور کفنا کر

مسہری میں رکھا گیا۔ محل کے احاطہ اور پھاٹک کے باہر ہزاروں عقیدت مند آنکھوں میں آنسو بھرے کھڑے تھے۔ لا اِلٰہ اِلا للہ کی صدا کے ساتھ جنازہ اٹھایا گیا۔ لیکن جیسے ہی جنازہ محل کے سامنے والے دروازہ میں پہنچا تو دروازہ میں ہی اٹک گیا۔ بہت کوشش کی گئی مگر جنازہ اس دروازہ سے نہ نکل سکا۔

آخر یہ طے ہوا کہ جنازہ پچھلے دروازے سے باہر نکالا جائے اور تالاب والے راستے سے جنازہ نکالا گیا اور سرسہ پیٹھ، جمعہ دروازہ، گانجا کھیت، اتوار محل چوک اور جھنڈا چوک ہوتا ہوا تاج آباد شریف لایا گیا۔ اس جنازہ کے ساتھ تقریباً چالیس ہزار غم زدہ افراد تھے جن میں ناگپور کے تمام لیڈر، ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی اور پارسی وغیرہ سب ہی مذاہب کے لوگ شامل تھے۔ راستہ میں جنازہ پر پھول اور ہار بڑی تعداد میں ڈالے گئے۔ راستہ کے دونوں طرف چھتوں پر عورتیں اور بچے کھڑے گلاب کے پھولوں کی بارش کر رہے تھے۔

جنازہ شام کو تاج آباد شریف پہنچا۔ امراوتی کے مدرس مولانا محمد علی صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ مولانا صاحب کا بیان ہے کہ دورانِ نماز انھوں نے باباصاحبؒ کو جنازہ کے بازو کھڑے دیکھا۔

۱۸/ اگست ۱۹۲۵ء بروز سہ شنبہ بوقت رات دس بجے حضور بابا صاحب کے جسدِ خاکی کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔

باب ۷

باباتاج الدینؒ کا سوگ

۱۸/ اگست ۱۹۲۵ء کی صبح تمام ملک کے لئے یہ روح فرسا پیغام لے کر آئی کہ انسانیت کا پجاری اور خدمت گار اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔ کشمیر سے کنیا کماری تک اور آسام سے بلوچستان تک پورے ملک پر ایک ماتم چھا گیا۔ ملک کے کئی اخبارات نے اس دن اور اس کے بعد اس خبر کو نمایاں جگہ دی۔

اس طرح باباصاحبؒ کا ماتم بھی اپنے اندر پوری تاریخ بن گیا۔

اخبارِ مدینہ، بجنور:

اخبار مدینہ نے لکھا کہ حاصل کمالات ظاہری و باطنی جناب سید تاج الدین شاہ صاحبؒ چند روز کی علالت بخار وغیرہ میں مبتلا ہو کر بتاریخ ۱۷/ اگست ۱۹۲۵ء مطابق ۲۶/ محرم ۱۳۴۴ھ بروز دوشنبہ بوقت ۷ بجے شام بمقام محل راجہ راگھوجی راؤ بھونسلے، شکر درا، ناگپور اس دار فانی سے عالم جاودانی سدھارے۔

حضور کی زندگی میں دور دور سے لوگ آپ کی زیارت کو آتے تھے۔ جو بھی حاجت مند آتا حضورؒ حق تعالیٰ سے اس کی مشکل کشائی اور حاجت روائی کی دعا کرتے۔ کثرت سے کوڑھی، اپاہج، آسیب زدہ اور دیگر قسم کے

مریض اور حاجت مند آپ کی امداد کے خواہاں دربار میں پڑے رہتے تھے۔ ہر آدمی آپ کے وجود سے فیض باطنی و ظاہری حاصل کرتا۔ ہر وقت لنگر جاری رہتا۔ بے کس، غریب اور مسکین، یتیم، بے سہارا کی پرورش کا سامان دربار میں موجود تھا۔

آندھر پتریکا، حیدر آباد:

دکن کے مشہور اخبار 'آندھر پتریکا' نے اپنے ۲۲/اگست ۱۹۲۵ء کے شمارے میں لکھا کہ رام کا جنم باباصاحبؒ کی شکل میں دوبارہ ہوا تھا جو ۱۷/اگست ۱۹۲۵ء کو اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

ایوننگ نیوز:

۲۵/اگست ۱۹۲۵ء کے انگریزی اخبار ایوننگ نیوز (Evening News) میں حسبِ ذیل بھی حیرت انگیز خبر چھپی:

اس کے پہلے جس بات کو محض من گھڑت بات کہا جاتا تھا اب بہت سے لوگوں نے اس کی تصدیق کی ہے۔ مسٹر نرائن راؤ ہیڈوا کے جنھوں نے اپنی آنکھوں سے اس واقعہ کو دیکھا ہے اپنے دستخط سے ایک پرچہ نکال کر بانٹا ہے۔ اس پرچہ میں انھوں نے لکھا ہے کہ ناگپور کے پانڈورنگ مندر میں وٹھل اور رکمنی کی آنکھوں سے آنسو جاری رہے۔ ہزاروں لوگوں نے اسے دیکھا۔ قدرت کے اس عجیب کرشمہ کی وجہ سے مندر میں خاص طور پر پوجا ارچنا کی جارہی ہے۔ باباصاحبؒ کی وفات کے صدمہ سے ہزاروں دیوی اور

دیوتاؤں نے آنسو بہائے ہیں۔

اس واقعہ کی مدراس میل (Madras Mail) نے بھی تصدیق کی ہے۔ اس طرح ہندوستان کے مشہور اخباروں نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق حضورؒ کے وصال پر آنسوؤں کے نذرانے پیش کئے ہیں۔

عرس شریف:

حضرت باباتاج الدینؒ کا عرس مبارک ہر سال ۲۲ر محرم سے ۲۹ر محرم تک ہوتا ہے جس میں خاص دن ۲۶ر ۲۷ر محرم کے ہیں کیونکہ اسی دن حضرت باباؒ کا وصال ہوا تھا اور تدفین عمل میں آئی تھی۔ اس دن صندل شریف ان ہی راستوں سے گذر کر تاج آباد شریف پہنچتا ہے جن راستوں سے باباصاحبؒ کا جنازہ گذرا تھا۔ عرس مین لاکھوں زائرین بلا لحاظ مذہب وملت حاضری کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

باباصاحبؒ کا عرس تاج آباد شریف کے علاوہ بھی کئی مقامات پر ان ہی دنوں میں ہوتا ہے۔ مثلاً حیدر آباد (دکن)، حیدر آباد (سندھ) کراچی، کھڑک پور، کلکتہ، وجے نگر، کٹک وغیرہ۔ ان مقامات پر بھی پرستاران باباجمع ہوتے ہیں اور نذرانہ ہائے عقیدت پیش کرتے ہیں۔

واکی شریف کا عرس۔

واکی شریف میں حضرت باباصاحبؒ نے اپنی زندگی کے بہت سے دن گزارے تھے اسلئے واکی شریف میں حضرت باباصاحب قبلہؒ کا عرس ہر

سال ۲/مارچ کو بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ اطراف واکناف سے ہزاروں کی تعداد میں معتقدین شریک ہو کر حاضری کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

چلہؔ شریف:

اپنے آخری لمحات میں بابا صاحب قبلہؒ نے مہاراجہ راگھوجی راؤ بھونسلے سے فرمایا تھا کہ میرا بستر تیرے گھر سے لاکھوں برس تک نہیں اٹھ سکتا۔ اس لئے راجہ صاحب کے محل میں حضرت باباصاحبؒ کا چلہؔ شریف ہے جہاں آج بھی وہی سماں نظر آتا ہے جو باباصاحبؒ کی حیات میں تھا۔ یہاں زائرین اور معتقدین کی بڑی خدمت کی جاتی ہے۔

حضورؒ کا سراپا:

حضرت باباتاج الدینؒ کا قد ۵ فٹ ۱۰ انچ تھا اس لئے لاکھوں کے مجمع میں بھی حضور نہایت بلند وبالا نظر آتے تھے۔ آپ کی پیشانی مبارک فراخ تھی جو ہمیشہ تاباں رہتی تھی۔ رنگ گندمی مائل برسیاہی تھا۔ رخ مبارک کھڑا اور گردن صراحی دار تھی۔ آپ کے ہاتھ لمبے اور مضبوط تھے۔ پیر بھی کافی لانبے اور مضبوط تھے۔ جسم چھریرا تھا رخ مبارک پر داڑھی تھی۔ اکثر ننگے پیر رہتے تھے۔ سر پر کوئی چیز نہیں پہنتے تھے۔ لب ولہجہ مدراسی تھا۔ گفتگو میں ظرافت کی چاشنی تھی۔ گلاب جامن، مونگ پھلی اور چنے شوق سے نوش فرماتے تھے۔ چائے پیتے تو پیالی میں ڈال لیتے لیکن اس سے ذائقہ اور خوشبو میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ چائے خود بھی پیتے اور دوسروں کو بھی پلاتے۔

کبھی کبھی بیڑی بھی استعمال کرتے تھے۔

حضور باباصاحبؒ کے مدراج و اوصاف حسنہ:

حضرت باباصاحب قبلہؒ کے پاس ہزاروں آدمیوں کا مجمع رہتا۔ آپ اپنے کو کبھی شہنشاہ ہفت اقلیم فرماتے اور کبھی تاج الاولیاء کہتے تھے۔ کبھی فرماتے قفل میرے پاس ہے اور کنجی اللہ کے پاس۔ اپنی متعقدین اور زائرین کو اپنی پلٹن کہتے۔ 'ہو' آپ کا تکیہ کلام تھا۔

مزاج مبارک میں غربانوازی، ہمدردی اور رحم دلی بہت تھی۔ کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے تھے۔ مسلمان زائرین کو روزہ نماز کی پابندی کرنے کی تلقین کرتے۔ آپ کے اخلاق پسندیدہ تھے۔ کھانا بہت کم کھاتے اور تین تین دن کا فاقہ کرتے تھے۔ آپ کے منہ سے جو کچھ بھی نکلتا پروردگار عالم اسے پورا کرتا تھا۔ انسانیت دوست تھے۔ ہندو، مسلمان، سکھ اور عیسائی کسی میں فرق نہ کرتے تھے۔ ہندو تو آپ کو بھگوان کا روپ سمجھتے اور ان کی تصویر کی پوجا کرتے تھے۔

باب ۸

حضرت تاج الدینؒ سے فیضیافتگان

ایک بار حضرت باباتاج الدین صاحب قبلہؒ نے فرمایا تھا کہ میں سوالاکھ ولی بناؤں گا۔ ان کا مرید بنانے کا طریقہ بھی بڑا عجیب وغریب تھا اسلئے انھوں نے کب کسے اور کیسے مرید بنالیا اور اسے کیا روحانی فیض حاصل ہوا کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ آپ کا کون مرید کہا تھا یا کہاں ہے اور وہ کس طرح انسانیت کی خدمت کر رہا ہے یہ بھی نامعلوم ہے۔ اس طرح آپ کے فیض سے کس کس کو ولایت حاصل ہوئی یہ بتانا بھی مشکل ہے۔ آپ کے مریدوں میں ہندو، مسلمان، مرد، عورت سب ہی شامل تھے۔ ان سب کی جانکاری حاصل کرنا بہت ہی وقت طلب کام ہے۔ آج بھی کہتے ہیں کہ عقیدت مند خواب کے ذریعہ روحانی فیض حاصل کر رہے ہیں۔ بہر حال یہاں اُن چند درویشوں کے نام دیئے جارہے ہیں جو باباصاحب کے فیض روحانی سے مشہور ہوئے۔

مرد	خواتین
۱- حضرت بابا یوسف شاہؒ	۱- مریم بی اماں صاحبہؒ
۲- حضرت بابا قادر اولیاءؒ	۲- پوناوالی اماں صاحبہؒ
۳- حضرت بابا بنڈل شاہؒ	۳- حور بی اماں صاحبہؒ

۴- حضرت بابا قاضی امجد علی شاہؒ	۴- خالہ اماں صاحبہؒ
۵- حضرت بابا کملی شاہؒ	۵- تاج بی اماں صاحبہؒ
۶- حضرت بابا بمبئی والےؒ	۶- سکو بائی اماں صاحبہؒ
۷- حضرت باباخواجہؒ	۷- شاہدی اماں صاحبہؒ
۸- حضرت بابا کملی شاہؒ	۸- شیرزا اماں صاحبہؒ
۹- حضرت بابا محمد حسینؒ	۹- حنیفہ بی اماں صاحبہؒ
۱۰- حضرت بابا مسکین شاہؒ	۱۰- نانی اماں صاحبہؒ
۱۱- حضرت بابا منصورؒ	۱۱- خیر النساء اماں صاحبہؒ

ان کے علاوہ سیکڑوں ہندو سادھو بابا صاحبؒ کی خدمت میں آیا کرتے تھے اور ان سے روحانی رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ باباصاحبؒ نے کبھی کسی کو مایوس نہیں کیا۔ آج بھی ان کے مزار قدس پر ہندو سادھو پڑے رہتے ہیں۔

غوث محمد حضرت بابا یوسف شاہؒ

آپ کا نام عبدالکریم شاہ تھا لیکن حضرت بابا تاج الدینؒ ان کو یوسف کے نام سے پکارتے تھے۔ ان کی پیدائش جے پور میں ہوئی تھی۔ ان کے والد کسٹم کے محکمہ میں تھے۔ ان کی ابتدائی روحانی تعلیم اعلا حضرت شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے ذریعہ ہوئی۔ ان کو صوفی عبدالحکیم شاہ صاحب

صابری چشتی کے مرید خاص حضرت مجیب شاہ صاحبؒ سے قربت رہی۔

ایک عالم ہونے کی وجہ سے اردو، فارسی اور عربی زبان پر اچھا عبور حاصل تھا اور سیرۃ النبیؐ پر اپنی طویل تقاریر سے سامعین کو محو اور بے خود بنائے رکھنے کا ملکہ حاصل تھا۔ ان کے پیر صوفی عبدالحکیم شاہ صاحبؒ نے اپنا خلیفہ بنا کر ناگپور تشریف لے جائے اور باباتاج الدین صاحبؒ کی خدمت میں تاحیات رہنے کا حکم دیا۔

ناگپور پہنچ کر آپ نے باباتاج الدین صاحبؒ کی زندگی پر نظر ڈالی تو دل میں خیال آیا کہ پیر نے مجھے یہاں کیوں بھیجا ہے۔ یہاں نہ کوئی خانقاہ ہے نہ کوئی لائبریری اور اس پر طرہ یہ کہ باباصاحبؒ شریعت پر بھی نہیں عمل کر رہے۔ میں نے ان سے کیا سیکھوں گا جو خود بے خودی کے عالم دنیا سے بے خبر جنگلوں میں مارے مارے پھرتے ہیں۔

ایک دن اپنے خیالات سے پریشان ہو کر وہ باباصاحبؒ کے پاس گئے جو بہت سے عقیدت مندوں سے گھرے بیٹھے تھے۔ جیسے ہی وہ اس حلقہ میں شامل ہوئے بابا صاحبؒ نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "اس مولوی کو یہان سے نکال دو۔" باباصاحبؒ کے حکم کی تعمیل ہوئی اور ان کو اس جگہ کو چھوڑنا پڑا۔

بابایوسف شاہؒ بہت پریشان تھے وہ سوچتے تھے ان کی یہاں ضرورت نہیں وہ بہت تکلیف اور مایوسی میں دن گذار رہے تھے لیکن وہ اپنے پیر حکیم شاہ صاحبؒ کے پاس واپس نہیں گئے۔ وہ اپنے پیر کے حکم کی تعمیل میں

باباتاج الدینؒ کے پاس روحانیت کی ٹریننگ کے لئے ٹھہرے ہوئے تھے۔

ایک دن انھوں نے باباصاحب تاج الدینؒ کو ایک پیڑ کے نیچے آرام کرتے ہوئے پایا۔ ان کے کچھ خدام ان کی ٹانگیں دبا رہے تھے۔ تھوڑی سی ہمت جٹا کر وہ اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے خدام کے ساتھ باباصاحبؒ کی ٹانگیں دبانے لگے۔ جیسے ہی باباصاحب کی نظر ان پر پڑی وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنا کرتا اتار کر ان کی طرف پھینکتے ہوئے بولے "تیری شریعت تجھے مبارک۔" اور خود بالکل برہنہ ہو گئے۔ فوراً ہی ایک خادم نے نیا کرتہ لا کر پہنا دیا۔

بابا یوسف شاہؒ نے جیسے ہی باباصاحبؒ کا کرتہ تن پر ڈالا ان پر بے خودی طاری ہو گئی۔ ننگے سر اور ننگے پیر جنگل میں گھومنے لگے۔ کھانے پینے کا بھی ہوش نہیں رہا۔ دنیاوی خواہشات بھی ختم ہو گئیں۔ باباصاحبؒ نے انھیں صرف چائے پینے کا حکم دیا۔

چھ مہینے بعد انھیں کنویں میں رہنے کا حکم دیا گیا جہاں وہ تقریباً تین سال تک رہے۔ ایک ٹوکری کے ذریعہ صرف چائے اور مونگ پھلی ان کو پہنچائی جاتی تھی۔ اس طرح یوسف شاہ مولوی سے درویش بن گئے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ اگر وہ باباصاحبؒ کی پناہ میں نہ آتے تو اتنی روحانی بلندی نہ حاصل کر پاتے۔ باباصاحبؒ نے تین سال بعد باہر آنے کا حکم دیا اور یوسف کے نام سے مخاطب کیا کیونکہ پیغمبر حضرت یوسف کو ان کے بھائیوں نے کنویں میں ڈال دیا تھا جہاں سے ایک قافلہ نے ان کو نکالا تھا۔ اس سے بابا

یوسف شاہؒ کے نام سے مشہور ہو گئے۔

بابا یوسف شاہؒ کو روحانی بلندی پر پا کر بابا تاج الدین نے ان کو اپنے مشن کی اشاعت اور تاجی سلسلہ کو آگے بڑھانے کیلئے کاٹھیاواڑ بھیجا۔ کاٹھیاواڑ میں ان کے ہزاروں مرید بن گئے۔ وہاں سے واپس لوٹنے پر باباؒ نے ان کو یو۔پی کے لئے روانہ کیا۔ یو۔پی میں بھی ان کا دورہ کامیاب رہا۔ یو۔پی سے کامیاب لوٹنے پر بابا نے ان کو اپنی نعلیں مبارک دیں اور فرمایا "لو اور پھیلاؤ۔" اس طرح ان کو اور سفر کرنے کی ترغیب دی۔

بابا یوسف شاہؒ نے اپنے دل میں خیال کیا کہ بابا نے مجھے خلافت تو عطا نہیں کی۔ بابا صاحبؒ نے فوراً ان کے دل کی بات جان لی اور ایک کاغذ کے ٹکڑے پر چار مرتبہ شیخ، شیخ لکھ کر ان کو دے دیا۔ یہی ان کے خلافت عطا کرنے کا طریقہ تھا۔ بابا صاحبؒ ان سے بہت محبت کرتے تھے اور کہا کرتے تھے۔ "یوسف میرا بیٹا ہے۔"

ایک مرتبہ بمبئی سے ایک عقیدت مند آموں کی ایک ٹوکری لایا۔ اتفاقاً بابا صاحبؒ اس وقت جنگل میں تھے اس لئے عقیدت مند نے وہ ٹوکری بابا یوسف شاہؒ کو سونپ دی۔ بابا یوسف شاہؒ نے سوچ کر دو آم اس میں سے نکال لئے کہ بابا صاحبؒ مجھے ہی بانٹنے کے لئے کہیں گے اور میرے حصہ میں دو آم تو آئیں گے ہی۔ اسی وقت بابا صاحبؒ جنگل سے واپس تشریف لے آئے اور عقیدت سے بولے۔ "اپنا جوتا اتارو اور نو مارو سات گنو۔" یوسف باباؒ نے خندہ پیشانی سے اس سزا کو برداشت کیا اور ضابطہ کا یہ

سبق سیکھ لیا۔

جو لوگ باباتاج الدینؒ کو صرف ایک مجذوب سمجھتے ہیں۔ ان کے لئے یہ واقعہ اچھی مثال ہے جس سے باباصاحبؒ کی ولایت اور زندگی کے لئے ان کے ہوش کا پتہ چلتا ہے۔ ایک اور واقعہ اس سلسلہ میں جوڑا جا سکتا ہے۔

ایک شادی میں جناب احمد دمہ صاحب کا تعارف صابری سلسلہ کے ایک پیر صاحب سے کرایا گیا۔ انھوں نے جناب احمد دمہ صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کس سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا "میں باباتاج الدینؒ کا ایک معمولی کتا ہوں۔" اس پر پیر صاحب نے رائے فرمائی کہ باباتاج الدین اگرچہ ایک ولی تھے لیکن مجذوب تھے۔

جناب احمد دمہ صاحب نے ان پیر صاحب سے دریافت کیا کہ کیا وہ باباتاج الدین صاحبؒ سے کبھی ملے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا نہیں میرے ایک پیر بھائی باباتاج الدین سے ملے تھے۔ باباصاحبؒ نے ان کو دیکھ کر فرمایا تھا "ارے تو یہاں کہاں آیا، تیرا پیر تیرے کو ملنے تیرے گھر آیا ہے جا جلدی جا۔"

جب مذکورہ بھائی کو گھر پہنچا تو اس نے اپنے پیر کو گھر پر انتظار کرتے ہوئے پایا حالانکہ ان کا گھر ناگپور سے ۲۵۰ میل دور تھا۔

جناب احمد دمہ صاحب نے پیر صاحب سے کہا "کیا یہ ثبوت کافی نہیں ہے کہ باباتاج الدینؒ صرف مجذوب نہیں بلکہ ایک ولی تھے؟" پیر

صاحب نے کہا "میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں۔"

حضرت بابا یوسف شاہؒ بابا تاج الدینؒ کے حکم کے مطابق ہندوستان کے کونے کونے میں ان کے مشن کی اشاعت کیلئے سفر کرتے رہے۔ وہ جہاں کہیں بھی جاتے لوگ شہد کی مکھیوں کی طرح ان کے چاروں طرف جمع ہو جاتے۔ لوگ بابا صاحب کے سلسلہ میں شامل ہونے کے لئے ان کے مرید بن رہے تھے جن میں ہر مذہب اور ہر ذات کے لوگ شامل تھے۔ ریاست چھتاری کے لوگ خود نواب چھتاری اور سرکاری افسر اس سلسلہ میں شامل ہوئے۔ ایک اور نام ہے ڈاکٹر محمود احمد دمہ صاحب کا جو بابا یوسف شاہؒ کے مرید ہوئے۔

ریاست چھتاری کے ایک گاؤں کے لوگ بابا یوسف شاہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بارش کے لئے دعا کرنے کی درخواست کی۔ کیونکہ ان کا گاؤں زبردست قحط سالی کا شکار تھا۔ جانور چارے کی کمی کی وجہ سے مر رہے تھے اور پودے بربادی کے قریب پہنچ چکے تھے۔ ہرے پتے پیلے ہو ہو کر گر رہے تھے۔ حضرت بابا یوسف شاہ صاحبؒ نے فرمایا: فکر مت کرو کل سہ پہر ایک بجے بارش ہو گی۔ کل دوپہر میرے پاس آؤ۔

اگلے دن لوگ اکٹھے ہوئے اور بابا یوسف شاہؒ کے پاس آئے۔ بابا یوسف شاہ ان کو لے کر چلے۔ راستہ میں ایک آدمی ہاتھ جوڑے کھڑا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ میرا باغیچہ بچا لیجئے وہ تباہ ہونے والا ہے۔ بابا صاحب نے اس کے

بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا میں پیشہ سے مالی ہوں۔ حضرت یوسف شاہ صاحبؒ نے فرمایا" میں بھی باباصاحبؒ کا مالی ہوں۔۔ اس لحاظ سے ہم دونوں مالی ہوئے۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد آپ نے آسمان کی طرف دیکھا جہاں بادل جمع ہو رہے تھے۔ ٹھیک ایک بجے ایک کڑاکے کے ساتھ بارش شروع ہو گئی اور اتنا پانی برسا کہ سب کو گھر لوٹنا مشکل ہو گیا۔

ایک بار ایک گاؤں میں ایک۔ سادھو زمین سے سات فٹ اونچا اٹھ کر بغیر کسی سہارے کے دو دن تک کھڑا رہا۔ لوگوں نے اس کی پوجا شروع کر دی۔ اس کے پیروں کے نیچے پھول، ہار اور روپیہ چڑھانے لگے ان میں کچھ جاہل مسلمان بھی شامل ہو گئے۔ لوگوں نے بابا یوسف شاہؒ سے شکایت کی۔ بابا یوسف شاہؒ صرف مسکرا کر رہ گئے۔ اگلے دن جب حسب معمول جنگل کو تشریف لے جا رہے تھے۔ اس سادھو کی طرف گذر ہوا۔ آپ نے انگلی سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پڑھا **لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہِ العظیم** اور انگلی کو دائیں سے بائیں گھما دیا۔ وہ شخص سر کے بل اس طرح گرا کہ ٹانگیں اوپر ہو گئیں۔ اس نے چاروں طرف دیکھا اور چوٹ کی پرواہ کئے بغیر چڑھاوا سمیٹ کر بھاگ کھڑا ہوا۔

جس وقت حضرت بابا تاج الدینؒ کا وصال ہوا بابا یوسف شاہؒ ناگپور میں نہیں تھے۔ جیسے ہی آپ نے یہ خبر سنی آپ ناگپور دوڑے چلے آئے۔ یہاں تاج آباد حضور باباؒ کے مزار پر ان کا جانشین منتخب کرنے کی میٹنگ ہو رہی تھی۔ سب لوگوں نے اتفاق رائے سے حضرت بابا یوسف شاہؒ کو حضور

باباتاج الدینؒ کا جانشین اور سجادہ منتخب کر لیا۔

فاتحہ خوانی کے بعد عقیدت مند ہار اور دستار لے کر حاضر ہوئے اور بابا یوسف شاہؒ سے دستار بندی کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا۔ ''شیر کا سجادہ کون ہو سکتا ہے؟'' اور دستار باندھنے سے انکار کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور دستار لے کر باباتاج الدینؒ کے عم زادے عبدالجبار کی طرف بڑھے اور ان کے سجادہ نشین ہونے کا اعلان کر دیا۔

حضرت باباتاج الدینؒ کے چہلم کے بعد حضرت بابا یوسف شاہؒ اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ وہ اکثر اجمیر شریف میں خواجہ غریب نواز کے مزار پر حاضری دیا کرتے تھے اور درگاہ میں واقع محبوب منزل میں قیام کیا کرتے تھے۔ آپ نے دو بار حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔

۱۶/ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو رات میں ۲ بجے آپ کا انتقال ہو گیا۔

حضرت بابا یوسف شاہؒ کے اکلوتے صاحب زادے حضرت بابا آفتاب کریم بڑے ہو کر اپنے والد کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ ان کے ہزاروں مرید اور عقیدت مند انھیں گھیرے رہتے ہیں اور ان سے روحانی فیض حاصل کرتے ہیں۔

مریم بی اماں صاحبہؒ

آپ جناب قطب الدین صاحب کی بہن تھیں جو باباتاج الدینؒ کے عقیدت مند تھے۔ آپ ابتداء سے ہی اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتی تھیں۔ دنیاوی معاملات سے انھیں کوئی بھی دلچسپی نہ تھی اگرچہ انھیں شادی کرنے کے لئے مجبور کیا گیا مگر وہ اپنے شوہر اور گھریلو کام کاج سے الگ ہی رہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے بھائی جناب قطب الدین کے گھر واپس آگئیں۔ ایک دن ایک فقیر ان کے یہاں آئے اور ان کو دیکھ کر فرمایا کہ ایک دن یہ بڑی روحانی قوت حاصل کریں گی اسلئے ان کو روحانی رہنمائی کے لئے باباتاج الدینؒ کے پاس لے جائیں۔

حضرت باباتاج الدینؒ اس وقت پاگل خانہ میں تھے جب ان کے بھائی انھیں لے کر وہاں پہنچے۔ ان کو دیکھ کر باباصاحبؒ نے فرمایا "میں تیرا مدت سے انتظار کر رہا ہوں۔" باباصاحبؒ نے ان کی چوڑیاں توڑ دیں اور فرمایا "روزانہ آیا کرو۔"

مریم بی اماں صاحبہ روزانہ وہاں جانے لگیں اور ایک مخصوص مقام پر کھڑے ہو کر باباصاحبؒ کے روئے انور کا دیدار کرنے لگیں چند ہی روز میں ان کی یہ حالت ہو گئی کہ آپ کھانا پینا بھول گئیں۔ باباصاحبؒ نے ان

کانام عبدالرحیم رکھااور اسی نام سے پکارا کرتے تھے۔

پاگل خانہ سے رہائی کے بعد آپ باباصاحبؒ کے ساتھ واکی کے جنگل میں گھومتی پھرتی تھیں۔ حالانکہ جنگل میں خطرناک جنگلی درندے رہتے تھے اور سانپ بچھو بھی بہت کثرت سے پائے جاتے تھے۔

دو سال تک ایسے ہی چلتا رہا۔ گھنے جنگل میں ایک مقام پر باباصاحبؒ نے انھیں رہنے کا حکم دیااور انھیں اکیلا چھوڑ کر آپ چلے آئے۔

کچھ دن بعد آپ نے ایک دیہاتی کو جس کا نام دکوری تھا بلایااور اماں صاحبہ کے لئے کھانا لے جانے اور ان کی دیکھ بھال کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ دیہاتی تلاش کرتا ہوا گھنے جنگل میں پہنچا تو اماں صاحبہ بے ہوشی کی حالت میں زمین پر پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے دو مرتبہ ان سے اٹھ کر کھانا لینے کی درخواست کی مگر کوئی اثر نہیں ہوا۔ تیسری مرتبہ اس نے "کہا اماں جی حضرت بابا تاج الدینؒ نے مجھے آپ کی خدمت میں کھانا اور پانی لے کر بھیجا ہے۔" یہ سن کر اماں جی اٹھ بیٹھیں اور کھانا اور پانی لے لیا۔ دیہاتی نے بڑی عاجزی سے ان سے درخواست کی کہ وہ اس کے گاؤں چلیں اور اسے خدمت کا موقع دیں جیسا کہ باباصاحبؒ کا حکم ہے۔

اماں جی اس دیہاتی کے ساتھ گاؤں چلی آئیں اور ایک جھونپڑی بنا کر رہنے لگیں۔ وہاں وہ ہر وقت ریاضت میں مصروف رہتی تھیں۔ کبھی کبھی باباصاحبؒ ان سے ملنے کے لئے آجایا کرتے تھے۔ کچھ ہی عرصہ میں انھیں روحانی بلندیاں حاصل ہونے لگیں۔ باباصاحبؒ ان کے ضرورت مندوں کو

مرادیں پوری کرانے کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ لوگ ہر وقت انھیں گھیرے رہتے اور اپنی مرادیں پاتے تھے۔

بابا صاحبؒ انھیں پھر شکر در اے آئے جہاں انھیں قیام کرنا تھا۔ ایک دن بابا صاحبؒ ان کے پاس گئے اور بولے "یہ لو اپنی کنگھی اور یہ کنجی ہے۔" بابا صاحب ابھی وہاں سے ہٹے بھی نہ تھے کہ اماں جی کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ یہ واقعہ ۲۷ر شوال ۱۳۲۷ھ کا ہے۔ بابا صاحبؒ کے حکم سے آپ کا جسدِ خاکی کا مٹی لے جایا گیا اور وہاں انھیں دفن کر دیا گیا۔

آپ کی قبر پر ایک شاندار مزار بنا ہوا ہے۔ ہر مذہب اور ہر ذات کے ہزاروں عقیدت مند آپ کے سالانہ عرس میں جمع ہوتے ہیں۔ ایک بار عرس کے موقع پر ایک قوال گا رہا تھا۔

پھر میں کیوں نہ اتراؤں سکھی ری
میری چنر یابابا نے رنگ دی

آپ کے مزار میں زلزلہ پیدا ہوا۔ لوگ ڈر گئے کہ اب مزار گر جائے گا۔ بابا یوسف شاہؒ اٹھے اور حضرت بابا تاج الدینؒ کا جبّہ آپ کے مزار پر رکھ دیا۔ زلزلہ ایک دم رک گیا۔

حضرت بابا کملی شاہؒ

حضرت بابا کملی شاہؒ بہت بڑے عالم تھے مگر روحانیت کی پیاس میں

سارے ملک میں مارے مارے پھرتے رہے۔ ہر مزار پر آپ نے ریاضت
اور آخر میں اپنی پیاس بجھانے کے لئے حضرت بابا تاج الدینؒ کی پناہ
آگئے۔ باباصاحبؒ آپ کو گدڑی شاہ کے نام سے پکارتے تھے۔

حضرت بابا تاج الدینؒ نے کملی شاہ کو رہنے کے لئے ایک بہت چھو
سی جھونپڑی دی۔ یہ جھونپڑی اتنی چھوٹی تھی کہ ایک آدمی اس میں مشکل
سما سکتا تھا۔ بابا کملی شاہ ہر وقت اس جھونپڑی میں رہتے تھے اور کبھی باہر نہیں
آتے تھے۔ ایک خادم ان کو کھانا پانی دے آتا تھا۔ ایک دن چاند خاں
ایک ایک موٹے سے چوہے کو بابا کملی شاہ کا گوشت کھاتے دیکھ لیا اس
برداشت نہ ہوا اور اس نے ڈپٹ کر چوہے کو بھگا دیا۔ بابا کملی شاہؒ چاند خاں
سخت ناراض ہوئے اور فرمایا "خدا نے اس کا کھانا میرے گوشت کی شکل
مہیا کیا ہے تو کون ہوتا ہے اسے کھانے سے روکنے والا۔ جا بھاگ جا اور
کبھی اپنی صورت نہ دکھانا۔" چاند خاں رونے لگا اور بڑی عاجزی سے معا
مانگی۔ آپ نے اسے معاف کر دیا۔

ایک بار جب باباصاحبؒ جھونپڑی کے سامنے سے گذر رہے تھے
فرمایا "اس جھونپڑی میں بڑا کالا ناگ رہتا ہے۔ اس سے ہم بھی ڈرتے ہیں"
بابا کملی شاہ کے غصہ سے باباصاحبؒ بھی ڈرتے تھے چونکہ
ریاضت میں کسی قسم کا خلل برداشت نہیں کرتے تھے۔ باباصاحبؒ کے
عقیدت مند جناب ابراہیم اکثر بابا کملی شاہ سے ملنے آیا کرتے تھے۔ حضر
باباصاحبؒ بھی روزانہ اس سے ملتے تھے۔ ایک دن باباصاحبؒ نے جنا

ابراہیم صاحب سے اگلے دن ۴ بجے کفن لانے کو کہا۔ اگلے دن ٹھیک ۴ بجے باباصاحبؒ نے فرمایا "دروازہ کھول دو۔" اسی وقت بابا کملی شاہ نے آخری سانس لی اور دنیا سے رخصت ہو گئے۔

جب ان کو غسل دیا جارہا تھا تو لوگوں نے دیکھا کہ بابا کملی شاہ کے جسم مبارک میں چوہے کے کاٹے بیسیوں زخم تھے جس وقت آپ رخصت ہو رہے تھے ایک قوال گارہا تھا:

عجیب عشق کا دونوں طرف اثر پھیلا
ادھر تو جان چلی اور ادھر چلی لیلیٰ

قاضی بابا سید امجد علی شاہؒ

سید امجد علی شاہ ۱۸۹۲ء میں برار میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کی پیدائش سے پہلے ایک دن ان کی والدہ نے خواب میں ایک درویش کو دیکھا جس نے پیشین گوئی کی کہ ان کے ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کی پرورش وہ درویش خود کرے گا۔ بچہ کی پیدائش کے ۲۱ ماہ بعد والدہ کا انتقال ہو گیا اور ان کی پرورش کی ذمہ داری انکی خالہ کے ذمہ آگئی۔

تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ انڈین ریلوے میں ملازم ہو گئے۔ بچپن سے ہی وہ اپنا وقت ادھر ادھر گنوانے کے بجائے مقدس لوگوں کی صحبت میں گذارا کرتے تھے وہ کئی درگاہوں پر جاکر اپنی عقیدت کا اظہار کیا کرتے تھے۔ وہ ریلوے گارڈ جناب محمد سبحان کے ساتھ باباصاحبؒ کی

خدمت میں حاضر ہوئے۔ باباصاحبؒ نے ۱۱دن تک اپنے ساتھ رکھا پھر فرمایا "حضرت جاکو آؤ۔"

وہ کچھ میل تک ہی گئے تھے کہ خواب میں باباصاحبؒ نے حکم دیا "واپس آجاؤ۔" اور یہ پہلی ہی گاڑی سے ناگپور آگئے۔ ناگپور جنکشن سے ایک اسٹیشن پہلے ہی باباصاحبؒ انھیں کھڑے ہوئے ملے۔ وہ دوڑ کر باباصاحبؒ کے قدموں سے لپٹ گئے۔ باباصاحبؒ نے انھیں ایک چھوٹی سی چھڑی دی اور فرمایا "لو حضرت ہماری خزانے کی چابی اور واپس جاؤ۔"

حضرت باباصاحب ان سے بار بار نوکری چھوڑنے کو کہتے اور وہ فوراً تعمیل کرتے پھر کام پر جانے کو کہتے اور آپ کام پر چلے جاتے۔ اس طرح کئی بار ملازمت چھوڑ دی اور کئی بار ملازمت جوائن کی۔ محکمہ ریلوے نے کبھی اعتراض نہیں کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ محکمہ ریلوے ان کو واپس لینے پر مجبور ہو۔

حضرت باباتاج الدینؒ نے کئی چیزیں قاضی باباکو عطا کی تھیں ان میں آپ کا جبہ، پانی پینے کا گلاس، نعلین مبارک اور چھتری وغیرہ شامل تھیں۔

۲۸ر اکتوبر ۱۹۵۷ء کو عشاء کی اذان کے ساتھ ہی آپ نے اس جہان فانی کو چھوڑ دیا اور لیاقت آباد کراچی میں دفن ہوئے جہاں ان کے صاحبزادے اور دیگر ارادت مندوں نے خانقاہِ امجدیہ کے نام سے ایک خانقاہ تعمیر کرادی۔ ان کا سالانہ عرس ۱۵ر ربیع الثانی کو ہوتا ہے۔

قادر اولیاءؒ

آپ کے والد آٹھویں بٹالین کے فرنٹیر ملٹری اسٹیشن کی مسجد کے پیش امام تھے۔ ان کی شادی ایک پٹھان لڑکی سے وجے نگر میں ہوئی تھی۔ ۳ ربیع الثانی ۱۲۲۰ھ کو جمعرات کے دن ان کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام قادر رکھا گیا۔ ان کے والدین کی خواہش کے باوجود درویشی میں داخل نہیں ہوئے لیکن انھوں نے اپنے بیٹے کو حضرت بابا تاج الدینؒ کے پاس جانے اور ان کی دعائیں حاصل کرنے کے لئے کہا۔ عین جوانی کے عالم میں وہ باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کو دیکھ کر باباصاحبؒ نے فرمایا "شیر کا بچہ شیر ہے۔" اور کیلوں کے گچھے میں سے ایک سب سے پکا ہوا کیلا نکال کر باباصاحبؒ نے قادر کو دیا۔ انھوں نے لے تو لیا مگر کھایا نہیں کیونکہ کیلا بہت پکا ہوا تھا اور اس میں سے بدبو بھی آرہی تھی۔ انھوں نے کیلے والا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ باباصاحبؒ بڑبڑائے کہ تم کھاؤ یا نہ کھاؤ جو تمہیں پہنچنا تھا پہنچ گیا۔ باباصاحبؒ کے ساتھ چند مہینے قیام کرنے بعد باباصاحبؒ کے حکم سے قادر باباوجے نگر کے گھنے جنگل میں چلے گئے اور کئی سال تک وہیں رہے۔ روحانی بلندی حاصل کرنے کے بعد حضرت بابا تاج الدینؒ کے مزار پر حاضر ہوئے اور پڑھا:

جنت کا در کھلا ہے تیرے در کے سامنے
بے شک خدا کا گھر ہے تیرے گھر کے سامنے

۲۸ر جنوری ۱۹۶۱ء کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ وجے نگر میں ان کے مزار کی جگہ قادر نگر کے نام سے مشہور ہے۔ بمبئی میں حضرت بابا بندے شاہ کہا کرتے تھے "میرے پاس قادر اولیاء کا خزانہ ہے۔"

آپ کے صاحبزادے پروفیسر عبداللہ شاہ درانی ایک قابل شخص ہیں انھوں نے اسلام پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔

حضرت کریم باباؒ

فرید الدین نام تھا لیکن آپ کریم باباؒ کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کے والد محمد عثمان کاٹھیاواڑ کے رہنے والے تھے اور افریقہ میں تجارت کی غرض سے چلے گئے تھے۔ جہاں انھوں نے کافی دولت کمائی اور ایک عرب لڑکی سے شادی کی۔ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کی دادی صاحبہ نے پیشین گوئی کی تھی کہ میرا فرید دنیاوی لذات سے دور ایک روحانی زندگی گذارے گا اس لئے وہ ہمارے پاس ایک امانت ہے جب وہ بڑا ہو جائے تو ہمیں اسے ہندوستان بھیجنا ہو گا۔

۷ سال کی عمر میں انھیں بابا تاج الدینؒ کے پاس لایا گیا۔ بابا صاحبؒ نے انھیں دیکھتے ہی کہا "ابھی یہ بچہ ہے ہم اسے بعد میں بلائیں گے۔ ۱۱ سال

کی عمر میں سایۂ پدری سے محروم ہو کر وہ سیدھے باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ باباصاحبؒ نے انھیں اپنے تانگے میں بٹھالیا اور ان کا روحانی سبق شروع ہو گیا۔ باباصاحبؒ نے انھیں مختلف جگہوں پر جاکر ریاضت کرنے کا حکم دیا۔ بعد میں باباصاحبؒ نے ان کو ایک معالج کی خدمت سونپی اور جلدی ہی وہ ایک حکیم بن گئے۔

بہت سے درویش جیسے بمبئی والے بابا، حضرت خواجہ بابا ان کے مکان پر آکر قیام کرتے تھے اور وہ ان کی خدمت اور عزت کرتے تھے۔ باباصاحبؒ نے ان کو خلافت عطا کی۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ ان کے مرید ہوئے۔ وہ باباصاحبؒ کی قربت میں ۱۲ سال تک رہے اور آخری وقت باباصاحب کی خدمت کی۔ انکی وفات کے بعد مزار پر خدمت انجام دیتے دیتے ۱۹۸۵ء میں ان کا انتقال ہوا۔ انھوں نے برسوں تک شادی نہیں کی مگر یتیموں کی خدمت کا جذبہ رکھتے تھے اس لئے آخر عمر میں ایک ایسی بیوہ سے شادی کرلی جس کے پانچ بچے تھے۔ بابا فرید گنج شکرؒ کے مزار بھی حاضر ہوئے جہاں ان کا کرم جوشی سے استقبال ہوا۔ انھوں نے تقریباً ۷۲ سال تک تاجی سلسلہ کی خدمت کی اور انسانیت سے پیار کے سلسلہ کو آگے بڑھانے میں پورا پورا تعاون دیا۔

پروڈیوسر نے بھی بابا بنڈل شاہ سے فیض اٹھایا۔ کاردار نے فلم دل لگی، دلاری اور درد بنائیں اور تینوں فلموں سے انھیں اتنا ہی نفع حاصل ہوا جتنے کا چیک بابا نے لکھ کر دیا تھا۔

ایس۔ یو۔ سنی اس زمانے میں 'بابل' فلم بنانے کی سوچ رہے تھے لیکن ان کے پاس رقم نہیں تھی۔ بابا بنڈل شاہؒ نے انھیں بھی ایک دن میں چیک لکھ کر دیا جسے سنی صاحبؒ نے مذاق سمجھا مگر اللہ کے فضل سے ایک گجراتی فنانسر ان کے پاس خود آئے اور انھیں اس چیک کے برابر رقم پیش کی۔

بابا بنڈل شاہ کا اسم مبارک عارف اللہ تھا مگر چونکہ آپ رات رات بھر عبادت کیا کرتے اور سوت کی ڈوری میں گرہیں لگاتے جاتے تھے اور لوگ اس کے بنڈل بناتے جاتے تھے۔ اس لئے بابا بنڈل شاہؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ لوگوں کو تعویذ بھی لکھ کر دیتے تھے۔

ایک دن ایک آدمی آپ کے پاس لایا گیا جس نے خودکشی کے ارادے سے زہر پی لیا تھا۔ وہ سخت تکلیف میں تھا۔ بابا صاحبؒ نے اپنے گلے کے ہار میں سے کچھ گلاب کی پتیاں توڑ کر اسے دیں اور انھیں پیس کر پلانے کا حکم دیا۔ خدا کے فضل سے وہ آدمی چند لمحوں میں ہی ٹھیک ہو گیا۔ وفات کے بعد بابا جنبئی کے چھوٹا قریشیان (کامٹی پورا) میں دفن ہوئے۔ وہیں آپ کا مزار ہے۔

مزار شریف مرجع خلائق ہے۔

حضرت بابا بنڈل شاہؒ

حضرت بابا بنڈل شاہؒ درویشی میں آنے سے پہلے مدراس میں ڈسٹرکٹ سیشن جج تھے۔ انھیں انگریزی زبان پر بے پناہ عبور حاصل تھا۔ وہ اکثر محویت کے عالم میں رہتے تھے۔ آپ حضرت بابا تاج الدینؒ کے مقرب مریدوں میں سے تھے اس لئے جب کوئی مریض ان کے پاس صحت کی بحالی کے لئے آتا تو وہ اسے سنترے کھانے کا مشورہ دیتے تھے۔ کیونکہ سنتروں کا تعلق ناگپور سے ہے اور ناگپور وہ جگہ ہے جہاں بابا تاج الدینؒ رہتے تھے۔ اس طرح وہ مریض کو بابا صاحبؒ کے مزار کی زیارت کا مشورہ دیتے تھے۔ اگر کوئی انکے پاس اپنی غرض لے کر آتا تو آپ اسے کسی بھی کاغذ پر رقم لکھ کر دیتے تھے جو بطور چیک ہوتی تھی پھر اسے وہ رقم کسی نہ کسی صورت سے مل ہی جاتی تھی۔

مشہور موسیقار نوشاد ایک بار بنڈل شاہ کے پاس گئے تو انھیں ایک کاغذ پر ۲۵ لاکھ روپیہ کی رقم لکھ کر دے دی جو نوشاد حیرت میں پڑ گئے جب انھیں اپنے کام میں ۲۵ لاکھ روپیہ کے ہی معاہدے ہوئے حالانکہ نوشاد کو اس وقت صرف پانچ سو روپیہ ماہانہ تنخواہ ہی ملتی تھی۔

نوشاد کے علاوہ مشہور فلم ڈائرکٹر اے۔ آر۔ کاردار اور ایس۔ یو۔ سنی بابا بنڈل شاہؒ کے عقیدت مند تھے اور ان دونوں ڈائرکٹر اور

حضرت انسان علی شاہؒ

حضرت انسان علی شاہؒ بابا تاج الدینؒ کے فیض یافتگان میں ممتاز حیثیت کے حامل تھے اور آپ کے سوچنے کی طرز بھی باباصاحبؒ سے ملتی تھی۔

انسان علی شاہ کی عمر ایک ماہ تھی کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ والد کے انتقال کے بعد آپ کی کفالت نانا اور نانی نے کی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے ایک رشتہ دار سے حاصل کی جو نہایت عالم و فاضل تھے۔ انسان علی شاہ کی طبیعت میں بچپن ہی سے عبادت اور ریاضت کا ذوق و شوق موجود تھا۔

انسان علی شاہ ایک صاحب حیثیت شخص تھے۔ آپ کئی مواضعات کے مال گزار تھے۔ لباس نہایت نفیس اور قیمتی پہنتے اور اعلیٰ نسل کا گھوڑا سواری میں رہتا تھا۔ متمول اور بلند حیثیت ہونے کے باوجود نہایت با اخلاق و منکسر المزاج تھے۔ آپ نے اپنے گاؤں میں ایک مسجد بنوائی تھی اور اس کی امامت بھی خود کرتے تھے۔ مہمانوں اور مسافروں کی خاطر تواضع کر کے آپ کو بہت خوشی ہوتی تھی۔

ابھی انسان علی شاہ ۲۲ برس کے تھے کہ آپ کی طبیعت میں تیزی سے تغیر رونما ہوا اور جذب و استغراق غالب ہو گیا۔ عالم جذب میں آپ لوگوں کو مارنے دوڑتے۔ دماغی مریض سمجھ کر ان کا علاج کرایا اور جب

حالت نہیں سنبھلی تو طے پایا کہ ان کو بزرگوں کے مزارات پر لے جایا جائے۔

چار چھ آدمی انسان علی شاہ کو لے کر ہندوستان کی مشہور درگاہوں پر گئے۔ آپ جس مزار پر جاتے، اندر داخل ہوتے ہی باہوش اور مؤدّب ہو جاتے۔ فاتحہ پڑھ کر مزار سے باہر آتے ہی آپ کا ہوش جذب میں تبدیل ہو جاتا۔ تمام مزاروں پر حاضر ہو کر جب انسان علی شاہ اپنے گاؤں لائے گئے تو لوگوں نے باہم مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے۔ اس زمانے میں بابا تاج الدین کا شہرہ ہر طرف پھیل رہا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ اب تو بابا صاحب کا دربار ہی باقی بچا ہے، وہاں بھی کوشش کر کے دیکھ لینا چاہئے۔ چنانچہ وہ لوگ انسان علی شاہ کو لے کر شکر درا پہنچے۔ انسان علی شاہ کو جب بابا صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا تو بابا صاحبؒ نے فرمایا۔

"ارے، یہ تو بڑے صاحب ہیں۔ روشن چراغ ہیں۔ میرے بعد سی پی کے بادشاہ ہوں گے۔ ان کی بیڑیاں اور ہتھکڑیاں توڑ دو۔ اب ان سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچے گی۔"

حسب حکم بیڑیاں اور ہتھکڑیاں کھول دی گئیں لیکن اب انسان علی شاہ پر جذب و بے خودی کے بجائے سکون اور ہوش کا غلبہ تھا۔ کچھ عرصہ بابا تاج الدین کی خدمت میں رہنے کے بعد انسان علی شاہ اپنے وطن چلے گئے اور آپ سے کرامات ظاہر ہونے لگیں۔ انسان علی شاہ کے اندر بابا تاج الدین کی جھلک نمایاں تھی۔ انداز و اطوار میں بھی بابا صاحب سے مشابہت

رکھتے تھے۔

قلندر بابا اولیاءؒ سے روایت ہے کہ جب انسان علی شاہ سے باباتاج الدینؒ نے یہ فرمایا کہ اگر تم ناگ پور سے مدراس تک بھیک مانگتے جاؤ اور واپس آؤ تو میں تمہیں بیعت کرلوں گا۔ انسان علی شاہ جیسے صاحب ثروت اور ذی جاہ شخص نے باباصاحب کے حکم پر پورا عمل کیا اور باباصاحب کے حلقۂ بیعت میں داخل ہوئے۔ باباتاج الدینؒ نے آپ کو "انسان" کا نام دیا۔

خواجہ علی امیر الدین

آپ کی ولادت ایک بنجارے کے گھر میں ہوئی۔ جائے پیدائش مقام ہنگیا ضلع ناگ پور تھا۔ آپ پیدائشی طور پر غیر معمولی صفات کے حامل تھے۔ چھ برس کی عمر ہوگئی لیکن نہ کسی سے بات چیت کرتے اور نہ کھانے پینے کی آپ کو کوئی پروا تھی۔ والدین پریشان ہو کر آپ کو واکی شریف میں باباتاج الدین کے پاس لائے۔ باباصاحبؒ نے فرمایا۔

"ان کو مت ستایا کرو۔ یہ بڑی شان والے ہیں۔ تم نہیں جانتے کہ ان کا نام خواجہ علی امیر الدین ہے۔"

اب لوگ آپ کو خواجہ علی امیر الدین کہنے لگے اور ہر شخص آپ کا احترام کرنے لگا۔ چند دنوں بعد خواجہ صاحب کے والدین تو گھر واپس چلے گئے لیکن خواجہ اور ان کے دادا باباصاحب کے پاس واکی میں ٹھہر گئے۔ ان

دنوں خواجہ صاحب کا یہ حال تھا کہ اکثر راتوں کو جنگل کی طرف نکل جاتے اور صبح واپس آتے تو ایک دو سانپ گلے میں ہار کی طرح لٹک رہے ہوتے۔ سانپ کی موجودگی سے ان کے دادا اور دوسرے لوگ ڈر جاتے۔ یہ طرز عمل بہت دن جاری رہا۔ لیکن سانپ نے کسی کو نہیں کاٹا۔ خواجہ صاحب کے دادا ناراض ہوتے کہ اگر کسی کو سانپ نے کاٹ لیا تو کیا ہوگا؟ یہ سن کر خواجہ صاحب سانپوں کو گلے سے اتار کر زمین میں رکھ دیتے اور اشارے سے بھگا دیتے۔

جب بابا تاج الدین ندی کی طرف جنگل کے اندر گھومنے جاتے تو لوگ آپ کے ساتھ ہوتے۔ خواجہ علی امیر الدین کے دادا بھی خواجہ صاحب کو کندھے پر اٹھائے ساتھ ساتھ چلا کرتے تھے۔ مشہور ہو گیا تھا کہ خواجہ صاحب جس شخص کے کندھے پر سوار ہو جاتے ہیں اس کی دلی مراد ضرور پوری ہوتی ہے۔ چنانچہ لوگ آپ کو بخوشی اپنے کندھے پر اٹھائے گھومتے۔ جب بابا تاج الدینؒ واکی سے شکر درا گئے تو راجہ راگھوجی راؤ نے خواجہ صاحب کے رہنے کا انتظام کر دیا۔ شکر درا میں قیام کے دوران خواجہ صاحب اکثر جلال میں رہتے تھے اور کبھی کبھی تو تلی زبان میں کچھ کہہ بھی دیتے۔

ایک دن خواجہ علی امیر الدین حالت جذب و جلال میں حضرت بابا تاج الدین کی خدمت میں آئے اور تو تلی زبان میں کہا۔

"محل تو اُلت دُوں؟" (محل کو اُلٹ دوں)

خواجہ صاحب نے دوبارہ یہ جملہ ادا کیا۔ بابا تاج الدین اپنی جگہ سے اٹھ کر اُن کے پاس گئے اور انگشت شہادت سے تین بار اُن کے منہ کو مارتے ہوئے کہا۔

"حضرت! یہ دعا کا دربار ہے۔"

یہ سُن کر خواجہ صاحب سناٹے میں آگئے اور گھبرا کر اپنی قیام گاہ کی طرف بھاگے۔ اس دن کے بعد سے آپ کا جلال جمال میں بدل گیا۔ لیکن اس کے بعد بھی خواجہ صاحب کے قریب نہیں گئے۔ دُور ہی سے سلام پیش کرتے تھے۔

خواجہ علی امیر الدین کی شخصیت بابا صاحب کے فیض یافتگان میں ایک منفرد مقام کی حامل سمجھی جاتی تھی۔ آپ ایک جلیل القدر ولی اللہ تھے اور بہت سی کرامتیں آپ سے منسوب ہیں۔

مہاراجہ راگھوجی

حکمراں مرہٹہ خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ آپ مہاراجہ جانوجی راؤ کے ولی عہد تھے جن کی حکومت شرقاً غرباً وردھا ندی سے مہاندی بنگال تک اور شمالاً جنوباً گوداوری ندی کے قرب وجوار سے نربدا ندی تک پھیلی ہوئی تھی۔ مہاراجہ جانوجی راؤ کو حکومت برطانیہ سے پولیٹکل پنشن ملتی تھی۔ پولیٹکل پنشن کے علاوہ بہت سے گاؤں بھی اس خاندان کی ملکیت تھے۔

راجہ راگھوجی راؤ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپ بابا تاج الدینؒ کو پاگل خانے سے ضمانت پر رہا کرا کے اپنے محل لے گئے۔ شکر درا محل میں راجہ راگھوجی نے باباصاحب کو ہر طرح کا آرام آسائش پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ راجہ صاحب نے جس طرح باباصاحب کی خدمت کی وہ ایک مثال ہے۔ انھوں نے اپنا محل، اپنے خدام، اپنا سب کچھ باباصاحب کے لئے وقف کر دیا تھا۔

راجہ صاحب باباجی کو ایک دیوتا کا درجہ دیتے تھے اور ان کے سامنے کوئی عرض پیش کرتے تو اس طرح جیسے ایک دیوتا کے آگے پیش کرتے ہیں۔ ایک دفعہ باباصاحب نے راجہ کے مندر کا بُت توڑ ڈالا۔ پجاریوں نے شور مچادیا۔ راجہ صاحب سے شکایت کی گئی تو انہوں نے مسکرا کر صرف اتنا کہا "باباصاحب بھی تو دیوتا ہیں۔ یہ معاملہ دیوتاؤں کا ہے۔ آپس میں خود نمٹ لیں گے۔ ہمارا تمہارا بولنا بے ادبی ہے۔"

خود تاج الدینؒ کو راجہ صاحب سے جو تعلق تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ راجہ صاحب کو اپنا "بڑا بھائی" کہہ کر پکارتے تھے۔ پاگل خانے میں سے نکلنے کے بعد باباصاحب کچھ دن شکر درا میں راجہ صاحب کے پاس رہے۔ پھر واکی تشریف لے گئے۔ واکی میں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد باباصاحب دربار شکر درا چلے گئے۔ یہ شاید راجہ صاحب کا خلوص اور ان کی محبت تھی جن کی پذیرائی میں باباصاحب نے دربارِ شکر درا کو اپنا مسکن بنایا۔

بابا صاحب کی ذات استغنا کی مکمل تصویر تھی۔ بابا صاحب ہر علائق سے آزاد سر برہنہ اور پا برہنہ گھومتے اور لوگوں کی دادرسی فرماتے۔ اگرچہ بڑے بڑے اُمرا اور رؤسا آپ کی خدمت میں نیاز مندانہ حاضر ہوتے اور چاہتے کہ بابا صاحب ان کی نذر یا خدمت کو قبول کرلیں۔ لیکن بابا صاحب نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ ایک بار نظام دکن نے کچھ زمین بابا صاحب کو نذر کرنی چاہی تو آپ نے ملکیت کے کاغذات پھاڑ ڈالے۔ بابا صاحب کے اس طرزِ عمل کو سامنے رکھ کر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بابا صاحب نے مہاراجہ راگھوجی راؤ جیسے راجہ کی خدمت قبول کی تو اس سے راجہ صاحب کی شخصیت کو ایک ممتاز حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ آخری زمانے میں جب لوگوں نے اس بات کی کوشش کی کہ بابا صاحب شکر درا چھوڑ کر کہیں اور منتقل ہو جائیں تو راجہ صاحب یہ سن کر آزردہ خاطر ہوگئے لیکن بابا صاحب نے آپ کو اطمینان دلاتے ہوئے فرمایا۔

"تیرے گھر سے میرا بستر لاکھوں برس نہیں اٹھ سکتا۔"

شکر درا محل میں بابا صاحب کا رہائشی کمرہ، پلنگ اور دیگر جگہیں ایک یادگار کی طرح محفوظ ہیں اور زائرین لازماً شکر درا محل میں حاضری دیتے ہیں جو بابا صاحب کی چلہ گاہ کی حیثیت سے مشہور ہے۔

حضرت فتح محمد شاہ

جب بابا تاج الدین اولیاءؒ پاگل خانے سے شکر درا راجہ راگھو جی راؤ کے پاس جانے لگے تو فرمایا" یہ جگہ خالی نہ رہے گی۔" بابا صاحب کا یہ فرمان سن کر فتح محمد شاہ صاحب کے ذریعے پورا ہوا۔

فتح محمد شاہ صاحب افغانستان سے آکر ضلع وارد ھا کے ایوت محل میں مقیم تھے اور وہاں ایک مسجد میں جاکر عبادت و ریاضت کیا کرتے تھے۔ ابھی یہ معمول جاری تھا کہ اُن پر جذب کی کیفیت طاری ہو گئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ جذب کی کیفیت سے پہلے بھی بابا صاحب کی خدمت میں پاگل خانے آتے تھے اور بابا صاحب کے حکم سے وارد ھا تشریف لے گئے تھے۔ جب حضرت فتح محمد شاہ صاحب پر جذب کی کیفیت روز افزوں ہونے لگی تو لوگوں نے آپ کو پاگل خانے میں داخل کیا گیا اسی دن بابا تاج الدینؒ پاگل خانے سے شکر درا تشریف لے گئے۔

ابھی حضرت فتح محمد شاہ صاحب کو پاگل خانے میں وارد ہوئے کچھ ہی عرصہ ہوا تھا کہ آپ کی شہرت ایک پہنچے ہوئے شخص کی حیثیت سے ہونے لگی۔ بابا تاج الدین کے وصال کے بعد مہاراجہ راگھو جی پاگل خانے گئے تاکہ حضرت فتح محمد شاہ صاحب کو ضمانت پر رہا کرا کر شکر درا لائیں۔ جب راجہ صاحب نے حضرت فتح محمد شاہ صاحب یہ بات کہی تو انہوں نے جواب

دیا۔ ”وہ جگہ تو سر کے بل چلنے کی ہے اور تو مجھے آج ہی وہاں لے جانا چاہتا ہے۔“ چنانچہ آپ عمر بھر پاگل خانے میں رہے۔ وصال کے بعد آپ کا جنازہ تاج آباد لایا گیا تو آپ کی یہ بات سمجھ میں آئی کہ وہ جگہ تو سر کے بل چلنے کی ہے اور تو مجھے ”آج ہی“ لے جانا چاہتا ہے یعنی جیتے جی میں اس جگہ جانے کے قابل نہیں ہوں۔

حضرت رسول بابا

بابا تاج الدین کی خدمت میں ایک صاحب اکثر حاضر ہوتے جو ذات کے کومٹی (بنیا) تھے۔ ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس لئے اکثر دعا کی درخواست کرتے۔ کئی دفعہ عرض کرنے کے بعد بابا صاحب نے فرمایا ”پر بچہ ہمارا ہوگا۔ جالے آ!“

نو ماہ بعد وہ صاحب ایک لڑکے کے باپ بن گئے۔ حسبِ وعدہ انھوں نے نوزائیدہ کو بابا صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ بابا صاحب نے بچے کا نام ”رسول“ رکھا اور پرورش کے لئے اپنے ماموں عبدالرحمٰن صاحب کے حوالے کر دیا۔

رسول بابا پیدائشی مجذوب صفت تھے۔ بابا صاحبؒ کے پاس آتے تو آپ کے گرد پروانے کی طرح چکر کاٹتے۔ اکثر آپ مستانہ انداز میں ”یا تراب، یا تراب!“ کا نعرہ لگاتے۔

بابا تاج الدین کے دربار سے آپ کو یہ خدمت سپرد ہوئی تھی کہ
جو بھی آسیب زدہ دربار تاج اولیاء میں آتا اور جہاں بھی ٹھہرتا، آپ اسی
وقت وہاں پہنچ جاتے اور اس کو ٹھیک کر دیتے۔ بابا تاج الدین کے وصال کے
بعد آپ کا وصال ۱۸ سال کی عمر میں ہوا اور بابا صاحب کے مزار کے قریب
مدفون ہیں۔

حضرت مسکین شاہ

آپ کا اصل نام غلام مصطفیٰ تھا اور آپ شطاریہ قادریہ سلسلے سے
نسبت رکھتے تھے۔ آپ کے پیر و مرشد نے بابا تاج الدین کی بارگاہ میں حاضر
ہونے کا حکم دیا تھا۔ بابا تاج الدین کے حکم کے مطابق آپ ناگپور پولیس
لائن کلی کی مسجد میں پیش امام ہو گئے اور بابا صاحب کی نسبت سے فیض یاب
ہوتے رہے۔ حضرت مسکین شاہ کی طبیعت میں عجز و انکسار کوٹ کوٹ کر بھرا
تھا۔ کچھ عرصہ بعد بابا صاحب نے ان کو سکندر آباد، بلند شہر روانہ کر دیا اور
آپ نے وہاں رشد و ہدایت اور خدمت خلق کا مشن جاری کیا۔

حضرت بابا فرید صاحب مسکینی

آپ حضرت مسکین شاہ صاحب کے خلیفہ ہیں۔ ناگپور میں کاشانہ
مسکینی میں آپ کا قیام ہے۔ بہت باغ و بہار اور مرنجانِ مرنج انسان
ہیں۔ ہمدردی اور خدا ترسی آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ عرس

کے دوران تقریبات میں بہت خشوع اور خضوع سے شامل ہوتے ہیں۔ عقیدت مندوں اور زائرین کے قیام و طعام کا خاص طور سے اہتمام کرتے ہیں اور انہیں تبرکات اور بابا تاج الدینؒ نطین شریف کی زیارت کراتے ہیں۔ ان کی نذر و نیاز بھی کرتے ہیں۔ عرس کے دوران محفل سماع اور نعتیہ مشاعرہ کا بطورِ خاص انعقاد کرتے ہیں۔ خود بھی شاعر اور مضمون نگار ہیں۔ کافی مقالات آپ کے موءِ قلم کا نتیجہ ہیں۔

آپ کی ایک ذاتی لائبریری بھی ہے جس میں بیش قیمت کتب کا ذخیرہ ہے۔ اکثر زائرین سے علمی مشورے کرتے ہیں اور اپنی لائبریری سے علم دوست حضرات کو کتابیں بھی عنایت کرتے ہیں۔

آپ کے مریدین پورے ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں جن سے سلسلہ مراسلت جاری رہتا ہے۔ موجودہ کتاب کی تیاری میں میں نے آپ کی لائبریری سے نایاب کتابوں کا مطالعہ کر کے ان سے استفادہ حاصل کیا ہے اور میں اس بات کو کہنے میں حق بجانی ہوں کہ اگر آپ کا تعاون نہ ملا ہوتا تو شاید یہ کتاب اتنے جامع اور دلچسپ انداز میں تیار نہیں ہو پاتی۔

اسی لئے میرا فرض ہو جاتا ہے کہ میں حضرت بابا فرید صاحب کے تعاون اور ان کی محبت کا جتنا زیادہ سے زیادہ ہو سکے شکریہ ادا کر سکوں تاکہ ان کے اخلاقِ حسنہ سے فیضیاب انسانوں کو ان سے فیض حاصل ہوتا رہے۔

☆☆☆

حضرت بابا عبدالرحمٰن

آپ مدراسی پلٹن میں ملازم تھے۔ وہاں سے وظیفہ ملتا تھا۔ بعد میں آپ نے کسی بحری جہاز پر نوکری کرلی۔ ایک بار سفر کرتے ہوئے جہاز پر سے پانی میں گر گئے۔ بابا تاج الدینؒ سے عقیدت اور محبت کی وجہ سے آپ نے بابا صاحب کا تصور کیا تو نامعلوم طریقے سے کنارے تک پہنچ گئے۔ وہاں سے پیدل ہی بابا تاج الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

بابا تاج الدینؒ کے توجہ سے آپ پر جذب طاری ہو گیا۔ بابا صاحب نے آپ کا نام عبدالرحمٰن رکھا اور اسی نام سے آپ مشہور ہوئے۔ جب آپ پر استغراق کا غلبہ ہوا تو کپڑوں سے بے نیاز ہو کر ایک قبرستان میں رہنے لگے۔ ایک دن جب آپ نے بے خودی کی حالت میں بابا صاحبؒ کے پاس پہنچے تو بابا صاحب نے ایک کپڑا عطا کر کے احرام باندھنے کا حکم دیا۔ احرام باندھتے ہیں جذب جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ بابا تاج الدینؒ نے آپ کو کاڑھا گھاٹ کا مٹی جا کر ہریجنوں کے مندر میں رہنے کا حکم دیا۔

بابا عبدالرحمٰن کا مٹی کے مندر میں رہ کر راہِ حق کے متلاشیوں کو راستہ دکھانے لگے اور پریشان حال لوگوں کی دادرسی آپ کے ذریعہ ہونے لگی۔ مندر کا انتظام و انصرام ایک ہریجن خاتون کرتی تھی۔ وہ بھی بابا عبدالرحمٰن کے ہاتھوں پر بیعت ہو گئی۔

ابھی خدمت کا سلسلہ جاری تھا کہ بابا عبد الرحمٰن کی طبعیت خراب ہو گئی۔ آپ بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ باباصاحب نے کہا۔ "آپ پہلے جائیں میں بھی آرہا ہوں۔"

چنانچہ باباتاج الدین کے وصال سے تین دن پہلے ۲۳ محرم الحرام ۱۳۴۴ھ کو بابا عبد الرحمٰن اس دنیا سے پردہ کر گئے۔ آپ کی تدفین سرگروہ کے تکیے میں کی گئی۔

حضرت حکیم نعیم الدین

آپ کا تعلق مدراس سے تھا اور آباء واجداد فوجی تھے۔ حکیم صاحب کے چچا حیدر آباد دکن کے شاہی طبیب تھے۔ چچا نے بے اولاد ہونے کی وجہ سے ان کو لے کر پالا تھا۔ چچا نے آپ کو اچھی تعلیم دلائی اور طب بھی پڑھائی۔ باباتاج الدین کا ذکر سُنا تو شوق دیدار میں واکی حاضر ہوئے۔ باباصاحبؒ نے فرمایا "دنیا کا چند روزہ تماشہ دیکھ کر آؤ۔" حکیم صاحب حیدر آباد واپس چلے گئے۔

کلیانی کے نواب حکیم صاحب کی شخصیت سے بہت متاثر ہوئے اور ان کو اپنا معتمد بنالیا۔ اعتماد یہاں تک بڑھا کہ حکیم صاحب نواب صاحب کی جائداد کے مختار ہو گئے۔ کچھ دنوں بعد نواب صاحب کا انتقال ہو گیا۔ حکیم نعیم الدین کو بہت صدمہ ہوا اور باباتاج الدینؒ کے الفاظ یاد آئے کہ دنیا کا چند

روزہ تماشہ دیکھ کر آؤ۔

حکیم نعیم الدین کلیانی سے حیدر آباد دکن چلے آئے اور ارادہ کیا کہ بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں لیکن والدہ کی خدمت میں رکاوٹ کے خیال سے فی الوقت ارادہ ملتوی کر دیا۔ جب والدہ بھی اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئیں تو اپنی جائداد اور سرمایہ رشتہ داروں غریبوں میں تقسیم کر کے فقیرانہ لباس میں دربار تاج اولیاءؒ روانہ ہوئے۔ چلتے ہوئے آپ نے جھولے میں چچا کی مجرب ادویات بھی رکھ لیں۔ ان کے ساتھ ایک بوڑھا بھی شریک سفر ہو لیا۔

شکر درا پہنچ کر آم کے درختوں کے نیچے قیام کیا۔ شریکِ سفر بوڑھے کے پاس جو روپیہ تھا وہ راستے کے اخراجات میں ختم ہو گیا۔ دوسرے روز بھوک نے ستایا تو حکیم صاحب مٹی کا ایک ٹھیکرا لے کر قریبی لنگر پر گئے۔ لنگر تقسیم کرنے والا لوگوں سے درشتی سے پیش آ رہا تھا۔ ان سے برداشت نہ ہو سکا اور خالی ہاتھ واپس چلے آئے۔ وہ دن بھوکے رہ کر گزارا۔ اگلے دن ہمراہی بوڑھے نے بھوک کی شکایت کی۔ حکیم صاحب کے پاس کسی فقیر کی دی ہوئی اکسیر تھی اس سے ایک تولہ سونا تیار کیا اور بوڑھے کو دیا کہ بازار میں فروخت کر آؤ۔ ادھر بوڑھا بازار گیا، بابا تاج الدینؒ اپنی قیام گاہ سے نکل کر درخت کے نیچے آئے اور حکیم صاحب سے کہا "عقبیٰ کا متلاشی دنیا لے کر آیا ہے۔"

یہ کہہ کر اکسیر بنانے کے سامان کو اوندھا کر دیا اور چلے گئے۔

کچھ دیر بعد بوڑھا بازار سے کھانے کا سامان لے کر آگیا۔ حکیم صاحب نے بابا صاحب کی آمد کا حال کہہ کر بوڑھے کو واپس حیدر آباد بھیج دیا اور وہ جھولا جس پر اکسیر وغیرہ رکھا ہوا تھا، زمین میں دفن کر دیا۔ دو دن حکیم صاحب نے درخت کی پتیاں کھا کر گزارے۔ تیسرے روز وزیر نامی صاحب جو بعد میں وزیر بابا جھنڈے والے کے نام سے مشہور ہوئے وہاں آئے اور حکیم صاحب کو اپنی جھونپڑی میں لے گئے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھنے لگے۔

رفتہ رفتہ لوگوں میں حکیم نعیم الدین صاحب کی شہرت ہونے لگی اور لوگ آپ کی عزت کرنے لگے۔ آپ کے لئے ایک جھونپڑی بھی بنادی گئی جس میں آپ معتکف رہتے۔ بہت کم باہر نکلتے تھے۔ آپ کو بابا تاج الدین سے ایسی ذہنی نسبت ہو گئی تھی کہ جب لوگوں کو بابا صاحب کی کہی کوئی بات سمجھ نہ آتی تو آپ سے رجوع کرتے۔ آپ فوراً اُس کا مطلب بتادیتے تھے۔

وصال کے بعد آپ نے کہہ دیا تھا کہ ہماری روانگی ہے۔ آپ کا حال یہ تھا کہ گھنٹے بعد آنکھیں کھول کر پوچھتے۔ "کتنا بجا ہے؟" شام کو پانچ بجے کے قریب پھر یہی سوال کیا تو بتایا گیا کہ پانچ بجے ہیں۔ یہ سن کر حکیم صاحب نے بلند آواز سے کہا۔ "لا اِلٰہ الاّ اللہ، پیر نبی جی صلی اللہ۔" تیسری دفعہ کہنے کے ساتھ ہی آپ کی رُوح پرواز کر گئی۔ حکیم نعیم الدین صاحب کا مزار ناندورا میں گیان ندی کے کنارے واقع ہے۔

حضرت محمد عبدالعزیز عرف نانا میاں

حضرت محمد عبدالعزیز مدراسی تھے اور آپ کے والد کا تعلق فوج سے تھا۔ ان کی سرگشت جو خود انہوں نے بیان کی، یوں ہے:

میں رائے پور میں سکونت پذیر تھا۔ یہاں اکثر مشائخ آتے اور کوشش کرتے کہ میں ان کا مرید ہو جاؤں لیکن میں انکار کر دیتا۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ جلوہ افروزہ ہیں۔ ان کے ایک طرف پانی بہ رہا ہے اور دوسری طرف روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ ایک آدمی کہیں سے نمودار ہوا اور بزرگ کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے کہا "یہ ہے تمہارا راستہ!"

میں بیدار ہوا تو دل سکون و اطمینان سے سرشار تھا۔ اس دن کے بعد میں اکثر اس خیال میں رہتا کہ جن صاحب کی میں نے خواب میں زیارت کی ہے، ان سے نہ جانے کب ملاقات ہو۔ اس زمانے میں میرے چند دوست ناگپور کے پاگل خانے میں بابا تاج الدین کے پاس گئے اور ان کے اندر ہونے والی تبدیلی کو میں نے بخوبی محسوس کیا۔ نیز اور بہت سے لوگوں سے بابا صاحب کی شخصیت اور کرامات کا تذکرہ سن کر میرے دل میں بھی زیارت کا اشتیاق ہوا۔

واکی میں بابا صاحب کے پاس حاضر ہوا تو دیکھا کہ بابا صاحب نے ایک تنکا اٹھایا اور اپنی ران پر آہستہ آہستہ لکھنا شروع کیا۔ میں آپ کے ہاتھ کی حرکات کو بغور دیکھ رہا تھا۔ میں یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ بابا صاحب

نے اپنی ران پر میرا پورا نام مع ولدیت لکھ دیا۔ جب کہ میں پہلی دفعہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور آپ سے بات تک نہیں کی تھی۔ اسی وقت مجھے اپنا خواب یاد آ گیا اور میں نے پہچان لیا کہ میں نے خواب میں جن بزرگ کی زیارت کی تھی وہ بابا تاج الدینؒ ہی تھے۔

میں اکثر تاج الدین باباؒ کی خدمت میں میلاد شریف پڑھتا تھا۔ ایک دن بابا صاحب نے کہا "کتاب لا۔" میں کتاب لے کر بابا صاحب کے پاس پہنچا تو انہوں نے ایک صفحہ کھول کر بطور نشانی لکڑی کی سیک اس پر رکھ دی اور فرمایا "یہ تمہارا ترک ہے۔" یہ الفاظ سنتے ہی میرے دل کی دنیا زیر و زبر ہو گئی۔ مجھے دنیا اور دنیا کے معاملات ہیچ دکھائی دینے لگے۔ میرے ذہن میں ترکِ دنیا کا خیال آیا اور میں نے ارادہ کر لیا کہ سب کچھ چھوڑ کر گوشہ نشین ہو جاؤں گا۔ یہ خیالات ہر وقت میرے ذہن میں گشت کرنے لگے۔ چند دن بعد بابا تاج الدینؒ نے دوبارہ کتاب طلب کی اور اس پر تحریر فرمایا۔ "چالیس، پچاس، ساٹھ، ستر۔" اور کتاب مجھے دیتے ہوئے فرمایا "ترک کو سمجھو۔"

اگلے روز بابا صاحب نے اپنے روحانی تصرّف سے مجھے سمجھایا کہ ترک کیا ہے اور میں سمجھ گیا کہ ترک دنیا کو چھوڑ دینے کا نام نہیں بلکہ ان خیالات سے نجات حاصل کرنے کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ فوراً ہی میرے دل سے دنیا چھوڑنے خیال ختم ہو گیا اور میں بابا صاحب کی اجازت سے اپنے وطن رائے پور چلا گیا۔

رائے پور میں میری تنخواہ میں بتدریج اضافہ ہونا شروع ہوا اور یہ

اضافہ اسی شرح سے ہوا جو باباصاحب نے میری کتاب پر تحریر کیا تھا۔ ۲۵ روپے سے بڑھ کر میری تنخواہ چالیس روپے ہوئی۔ پھر پچاس، پھر ساٹھ، پھر ستّر روپے ہو گئی۔ رائے پور میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد میں اپنی اہلیہ کے ساتھ واپس گیا۔ وہاں دستور تھا کہ ہر شخص کھانا پکا کر باباصاحب کی خدمت میں پیش کرتا۔ ایک دن میں نے بھی کھانا تیار کروایا اور باباصاحب کی رہائش گاہ کی جانب گیا۔ پتہ چلا کہ باباصاحب ندی کی طرف گئے ہیں۔ میں ندی کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ باباصاحب چاروں طرف پردہ تان کر اندر بیٹھے ہوئے ہیں اور ہر شخص کا لایا ہوا کھانا پیش کیا جا رہا ہے۔ میرا توشہ دان بھی پیش کیا گیا لیکن باباصاحب نے کسی بھی توشہ دان کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ قریب ہی ایک ہندو کسان کھانا پکا رہا تھا۔ اس نے ایک تھالی میں زرد رنگ کی جانے کیا چیز نکالی اور ساتھ میں گوار کی پھلیاں نکال کر باباصاحب کی خدمت میں پیش کیں۔ باباصاحب نے تھالی لے یہ کھانا نہایت خوشی اور رغبت سے کھانا شروع کیا۔ پھر پردے کو سرکا کر میری طرف دیکھا اور کہا "آؤ یہ کھانا کھالو۔ تمہارے کام کی چیز ہے۔" میں نے دوڑ کر تھالی ہاتھ میں لے لی۔ دیکھا کہ کھانے کے ساتھ بہت سی چیزیں شامل ہیں۔ موٹھ کے چھلکے، بیڑی کے ٹکڑے اور کچھ کنکر، پتھر۔ میں یہ کھانا بہت شوق سے کھانے لگا۔ تبرکاً بہت سے لوگ میرے ساتھ شریک ہو گئے۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ دیکھنے میں وہ بیڑی کے ٹکڑے اور کنکر پتھر دکھائی دیتے تھے لیکن منہ میں جانے کے بعد وہ کوئی اور چیز ثابت ہوتے تھے۔ جن کا ذائقہ

ناقابلِ بیان ہے۔

ایک دفعہ مئی کے سخت گرم مہینے میں بابا تاج الدینؒ جنگل میں بہت دور تک چلے گئے۔ ساتھ جانے والے ایک صاحب چھتری بابا صاحب کے سر پر پھیلائے چل رہے تھے تاکہ آپ کو دھوپ کی تکلیف نہ ہو۔ مجھ سے یعقوب نامی خادم نے کہا "آپ بھی چھتری پکڑ کر خدمت میں شریک ہو جائیں۔ میں نے ڈرتے ڈرتے چھتری ہاتھ میں لے لی اور ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ میں نے بابا صاحب کو دیکھا تو آپ پر استغراق کی کیفیت طاری تھی اور اس درجہ خود فراموشی کے باوجود آپ اس طرح تیز تیز چلے جا رہے تھے جیسے پوری طرح باہوش ہوں۔ آپ کانٹوں، پتھروں سے بے پروایوں چل رہے تھے جیسے وہ آپ کے راستے میں نہ ہوں۔ میں نے قدموں پر نگاہ کی تو ایسا لگا جیسے بابا صاحب کچھ اوپر فضا میں معلق چلے جا رہے ہیں۔ چلتے چلتے راستے میں ایک پتھر آیا جو زمین میں گڑا ہوا تھا۔ وہاں بابا صاحب رُک گئے اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا "ایسے رہتے ہیں اور آگے بڑھتے ہیں۔"

ایک دفعہ کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ان دنوں میں دنیاوی مسائل کا شکار تھا اور میرا ذہن ہر وقت ان ہی مسائل میں الجھا رہتا تھا۔ یکایک بابا صاحب نمودار ہوئے اور میرے پاس آکر کہا "حضرت! پنجرے سے کبوتروں کو اڑا دو۔" یہ کہہ کر آپ چلے گئے۔ جیسے ہی آپ واپس ہوئے میرے ذہن میں ایک کوندے کی طرح ان الفاظ کے معنی آگئے۔ بابا صاحب میرے دل میں گشت کرتے رہتے تھے۔ پنجرے سے کبوتر اڑا دینے کا مطلب

یہ تھا کہ میں ان سے ذہن ہٹا کر یکسو ہو جاؤں کیونکہ یکسوئی ہر معاملے میں کامیابی کی کلید ہے۔

اب میں باباصاحب کے اشارے کے مطابق ستر روپے ماہوار پر ملازم ہو چکا تھا۔ میرے رشتہ داروں نے مجبور کیا کہ اگر تم اگلا امتحان پاس کر لو تو تمہاری تنخواہ چار سو روپے کے قریب ہو جائے گی۔ میں ۱۹۲۲ء میں ناگپور آیا تاکہ امتحان دے سکوں۔ شکر درا میں حضور باباصاحبؒ کے پاس حاضر ہوا تو باباصاحب نے فرمایا "صوبے دار کی لال کتاب پڑھتے ہیں، گھر جاتے ہیں۔" میں بہت خوش ہوا کہ باباصاحب نے امتحان میں کامیابی کی خوش خبری دے دی ہے۔ اگلے ہی روز پیچش میں مبتلا ہو گیا اور اس شدت کی تکلیف ہوئی کہ میں امتحان میں شریک نہ ہو سکا۔ میں ناگپور سے جوں ہی رائے پور پہنچا، میری تکلیف ختم ہو گئی۔ ابھی ایک ہفتہ گزرا تھا کہ وہاں کے ایک بزرگ حضرت عبداللطیف نے مجھ سے کہا "عبدالعزیز! تم نے قرآن شریف نہیں پڑھا ہے، پڑھ لو اور نماز پڑھا کرو۔" میں اب تک ایک لاپروا قسم کا شخص تھا اور مجھے نماز تک نہیں آتی تھی۔ عبداللطیف صاحب کے ساتھ مسجد گیا اور لوگوں کو نقل کرتے ہوئے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد عبداللطیف صاحب مجھے اپنے گھر لے گئے اور قرآنِ پاک کھول کر میرے سامنے رکھا اور حکم دیا "پڑھو۔" مجھے خود حیرت ہوئی کی میں جس لفظ پر نظر ڈالتا وہ از خود میرے ذہن میں آجاتا اور میں پڑھ دیتا۔ یہاں تک کہ میں بارہ صفحے تک تلاوت کر گیا۔ عبداللطیف صاحب نے مجھ سے کہا کہ عبدالعزیز، تم

نے مجھ سے غلط بیانی کیوں کی، تمہیں تو قرآن مجید کی تلاوت بحسن وخوبی آتی ہے۔ تب میں نے عبد الطیف صاحب کو پورا واقعہ سنایا کہ کس طرح باباتاج الدینؒ نے مجھے سے کہا تھا کہ صوبے دار کی لال کتاب پڑھا کرو۔ یہ سُن کر عبدالطیف صاحب پر ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی اور فرمایا کہ یہ حضور باباصاحبؒ کا تصرّف ہے کہ تم لمحہ بھر میں قرآن پاک پڑھنے پر قادر ہو گئے ہو حالانکہ تم نے آج سے پہلے کبھی قرآن پاک کھول کر بھی نہیں دیکھا ہے۔

باباتاج الدینؒ کا حضرت عبدالعزیز صاحب پر یہ تصرّف مستقبل میں بھی جاری رہا اس طرح کہ آپ کُند ذہن لوگوں کو بھی پندرہ دن کے اندر قرآن ختم کرادیتے تھے۔ لوگ دُور دُور سے ان کے پاس آتے اور دس دن میں قرآنِ پاک ختم کر کے چلے جاتے۔

نیتا آنند بابا نیل کنٹھ راؤ

آپ مرہٹہ قوم کے ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ مدراس کے رہنے والے تھے جبل پور کے کسی آفس میں کلرک تھے۔ باباتاج الدینؒ سے گہری عقیدت تھی۔ باباصاحب سے دلی وابستگی کا یہ عالم تھا کہ باباصاحبؒ کا فوٹو پاس رکھتے تھے اور اس کی پوجا کرتے تھے۔ ایک دن فوٹو سامنے رکھے ہوئے ہدیۂ عقیدت پیش کر رہے تھے کہ منظر بدل گیا۔ دیکھا

یہ فوٹو سامنے ہے اور نہ آپ اپنے مکان میں موجود ہیں بلکہ تاج الدین بابا
ایک عجیب شان سے جلوہ افروز ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر نیل کنٹھ راؤ صاحب
بے ہوش ہوگئے۔ ہوش میں آنے کے بعد وار فتگی اور جذب میں شکر درا بابا
تاج الدینؒ کے پاس پہنچے۔ لوگوں نے دیکھا کہ آپ مست و بے خود
بابا صاحب کی شان میں گیت گاتے رہتے تھے۔

کچھ عرصہ شکر درا میں رہنے کے بعد نیل کنٹھ راؤ جبل پور چلے
گئے۔ جبل پور میں ہزاروں لوگوں نے آپ سے فیض پایا۔ ۱۹۳۱ء میں آپ
اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ آپ کی سمادھی ناگ پور میں موجود ہے۔

سکّو بائی

شکر درا میں بابا تاج الدینؒ کے پاس گلاب نامی ایک بنجارہ (روئی
دھننے والا) آیا۔ اس نے بابا صاحب سے عرض کیا "حضرت! میں دونوں
آنکھوں سے معذور ہوں اور کوئی کام نہیں کر سکتا۔"

بابا صاحب نے فرمایا "اپنے گاؤں میں چراغ رکھ کر یہاں کیوں آیا
ہے؟ جا اور مجھے وہاں دیکھ!"

گلاب اپنے گاؤں واپس گیا اور گھر میں بیٹھا بابا صاحب کے ارشاد پر
غور کر رہا تھا کہ آنکھوں پر کسی کے ہاتھ کا لمس محسوس ہوا۔ کوئی اس کی
آنکھوں پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ گلاب نے آثار و شواہد سے اندازہ لگالیا کہ یہ

سکو بائی ہیں۔ اس وقت سکو بائی کا بچپن تھا۔ گلاب سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو، باباصاحب نے جس شخصیت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ سکو بائی ہی ہیں ورنہ بغیر بلائے آنے اور آنکھوں پر ہاتھ پھیرنے کی کیا وجہ ہے۔

سکو بائی گلاب کی آنکھوں پر ہاتھ پھیر کر چلی گئیں اور پھر بتدریج گلاب کی بینائی بڑھتے بڑھتے بحال ہو گئی۔ اس واقعہ سے سکو بائی پورے گاؤں میں مشہور ہو گئیں اور سینکڑوں کی تعداد میں لوگ آپ کے پاس آنے لگے۔

سکو بائی کنبی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور پیدائشی مجذوب اور ولی اللہ تھیں۔ آپ ضلع واردھا میں ستی ماں کے نام سے مشہور ہوئیں۔

حضرت دوّا بابا

آپ کا تعلق گورکھپور سے تھا۔ بابا تاج الدینؒ کے وصال کے دن ناگپور آئے اور بعض لوگوں کے بیان کے مطابق تین دن بعد ناگپور آئے۔ آپ کو باباصاحبؒ سے روحانی نسبت حاصل تھی۔

حضرت دوّا بابا تاج آباد میں مقیم رہے اور لوگوں میں آپ کی عقیدت و محبت گھر کرنے لگی۔ اسی زمانے میں آپ پر جذب طاری ہو گیا۔ یکایک جلال میں آکر لوگوں کو پتھر مارنے لگتے۔ ان دنوں تاج آباد کا انتظام حضرت فریدالدین کے سپرد تھا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کوئی شخص ۱۶۰ ۱۱ اصاحب کے ہاتھوں مارا جائے۔ حضرت فریدالدین بابا تاج

دین کی طرف متوجہ ہو کر ان کے مزار کی پائنتی پر سو گئے۔ خواب میں اشارہ
کہ دوّا بابا صاحب کو زنجیروں سے باندھ کر رکھا جائے۔ حضرت فرید
دین زنجیر لے کر دوّا بابا صاحب کے پاس پہنچے۔ دوّا بابا صاحب نے انہیں
نا دیکھ کر اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیئے اور زنجیریں پہن لیں۔ لیکن
ت کو جانے کس طرح زنجیروں کی قید سے آزاد ہو کر تاج آباد سے باہر
لے گئے اور پندرہ دن بعد تاج آباد میں دوبارہ نظر آئے۔ حضرت فرید الدین
احب ان کے پاس اپنے عمل کی معافی مانگنے گئے۔ ابھی وہ کچھ کہنا ہی چاہتے
ے کہ دوّا بابا صاحب نے کہا "تیری کوئی خطا نہیں ہے۔ سب بابا صاحب
کے زیر حکم ہیں۔"

ان دنوں ناگپور کے راجا اعظم شاہ لاولد تھے۔ دوّا بابا صاحب کی دُعا
ے ان کی ہاں کئی اولادیں ہوئیں۔ راجا اعظم شاہ کی درخواست پر دوّا بابا
احب نے ان کے قلعے میں رہنا قبول کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد وہیں آپ کا
صال ہو گیا۔ آپ کا جسدِ خاکی راجا اعظم شاہ کے قلعے سے تاج آباد لایا گیا
روہیں آپ کا مزار ہے۔

جس طرح بابا تاج الدین کی چلہ گاہ راجا راگھو جی راؤ کے محل میں بنی
ئی ہے اسی طرح دوّا بابا صاحب کا چلہ راجا اعظم شاہ کے محل میں
وجود ہے۔

نانی صاحبہ

آپ مجذوب تھیں اور ایک فقیر خاندان سے تعلق تھا۔ اکثر مستانہ وار جھوم جھوم کر بابا تاج الدینؒ کی شان میں اشعار گاتی تھیں۔ ایک لمبا کرتا اور لنگوٹ آپ کا لباس تھا۔ نانی صاحبہ کی کوئی بات رموز و نکات سے خالی نہیں ہوتی تھی۔ آپ آخری وقت تک تاج آباد مقیم میں رہیں، وہیں وصال ہوا اور وہیں دفن کی گئیں۔

حضرت محمد غوث بابا

آپ مدراس سے تعلق رکھتے تھے اور شکر درا میں اکھاڑے کے پیچھے ایک جھونپڑے میں آپ کا قیام تھا۔ آپ ایک عابد اور سالک تھے اس لئے باباصاحبؒ نے آپ سے ارشاد و تبلیغ کا کام لیا۔ بابا تاج الدینؒ کے روحانی مشن کو آپ نے ویجانگر اور کٹک کے علاقوں میں پھیلایا۔ ان علاقوں کے عوام کے علاوہ بااثر افراد بھی آپ سے فیض یاب ہوئے۔ حضرت محمد غوث بابا نے اپنے ہاں ایک چھوٹا سا لنگر خانہ بھی قائم کر رکھا تھا جس سے درویشوں اور محتاجوں کو کھانا تقسیم کیا جاتا تھا۔ ۳؍ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ کو آپ ویجانگر سے واپس آرہے تھے کہ راستے میں انتقال ہو گیا اور جسدِ خاکی شکر درا لایا گیا۔ بابا تاج الدینؒ کے حکم سے راجہ باگ سوار کی طرف سرگردہ کے تکیے میں سپردِ خاک کیے گئے۔

قلندر بابا اولیاء

آپ کا نام محمد عظیم برخیا اور لقب قلندر اولیاء ہے۔ قلندر بابا رشتے میں بابا تاج الدین ناگ پوریؒ کے نواسے ہیں۔

قلندر بابا اولیاء ۱۸۹۸ء میں قصبہ خورجہ، ضلع بلند شہر، یوپی میں پیدا ہوئے۔ قرآن پاک اور ابتدائی تعلیم محلے کے مکتب میں حاصل کی۔ مڈل اسکول تک بلند شہر میں پڑھا اور پھر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں انٹر میں داخلہ لیا۔

علی گڑھ میں قیام کے دوران آپ کی طبیعت میں درویشی کی طرف میلان پیدا ہو گیا۔ اسی اثنا میں قلندر باباؒ اپنے نانا بابا تاج الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نانا نے انہیں اپنے پاس روک لیا۔ قلندر بابا کے والد کو جب اس بات کا علم ہوا تو وہ ناگ پور گئے اور بابا تاج الدینؒ سے عرض کیا "اے علی کو واپس بھیج دیجئے۔ اس کی تعلیم نامکمل رہ جائے گی۔"

استادوں کے استاد، واقفِ اسرار و موز، حامل علم لدنی بابا تاج الدینؒ نے فرمایا کہ اگر اسے اس سے زیادہ پڑھایا گیا جتنا یہ اب تک پڑھ چکا ہے تو یہ کسی کام کا نہیں رہے گا۔

قلندر بابا کے والد نے ایک مشفق باپ کی طرح بیٹے کو سمجھایا اور جب دیکھا کہ بیٹے کا میلان فقر کی طرف ہے تو انھوں نے یہ کہہ کر "بیٹے! تم خود سمجھدار ہو، جس طرح چاہو اپنا مستقبل تعمیر کرو۔" انہیں انکے حال پر چھوڑ دیا۔

قلندر بابا اولیاءؒ باباتاج الدینؒ کے پاس نو سال مقیم رہے۔ باباتاج الدینؒ نے نو سال تک ان کی روحانی تربیت فرمائی۔ تربیت کے زمانے میں ہونے والے بیشمار واقعات میں سے چند واقعات کا تذکرہ اور اس کی علمی توجیہ قلندر باباولیاءؒ نے کتاب "تذکرہ تاج الدین باباؒ" میں کی ہے۔

تربیت کے زمانے میں قلندر بابا کی والدہ سعیدہ بی بی چار بیٹیوں اور دو بیٹوں کو چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ قلندر بابا اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کی تربیت اور نگہداشت پر کمربستہ ہو گئے اور جب بچیوں کی تربیت کے سلسلے میں دقتِ پیش آئی تو باباتاج الدینؒ کے ارشاد کے مطابق ان کی ایک عقیدت مند کی صاحب زادی سے دہلی میں آپ کی شادی ہو گئی۔

شادی کے بعد قلندر باباؒ دہلی میں قیام پذیر ہو گئے۔ سلسلہ قائم رکھنے لئے مختلف رسائل وجرائد کی صحافت اور شعرا کے دیوانوں کی اصلاح اور ترتیب کام اپنے لئے منتخب کیا۔

لوح وقلم:

قلندر باباولیاءؒ نے جو تحریری سرمایہ چھوڑا ہے اس مین کتاب "لوح وقلم" کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ میں روحانیت کے موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں ان سب میں ترغیبی اور تبلیغی مواد موجود ہے لیکن ان قوانینؒ اور فارمولوں کو بیان کرنے سے احتراز کیا گیا ہے جو تخلیق اور تسخیر کائنات سے متعلق ہیں۔ آج کے دور میں جب انسان کا ذہن بالیدگی کے اُس نقطہ پر پہنچ چکا ہے کہ وہ روحانیت کو علمی بنیادوں پر سمجھ

سکے، قلندر بابا اولیاءؒ نے علم روحانیت اور کائنات کی تخلیق میں جاری و ساری قوانین کو عام فہم زبان میں لکھوایا اور اس طرح جو کتاب تیار ہوئی اس کا نام "لوح و قلم" رکھا۔ لوح و قلم کے مطالعے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کائنات کے تخلیقی مراحل نگاہوں کے سامنے آگئے ہیں۔ قلندر بابا اولیاءؒ نے یہ کتاب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر لکھوائی۔

نقشے اور گراف:

لوح و قلم کی اضافی تشریح کرتے ہوئے قلندر بابا اولیاءؒ نے بہت سے نقشے، تصاویر، اشکال اور گراف بنا کر دیئے۔ یہ اشکال اور نقشے ارض و سماوات اور عالم ملکوت و جبروت کے تخلیقی فارمولوں پر مشتمل ہیں۔ نیز انِ میں مقاماتِ ارضی و سماوی کا خاکہ بھی موجود ہے۔

رباعیّات:

قلندر بابا اولیاءؒ ایک بلند پایہ شاعر تھے۔ شعر و سخن کا ذوق آپ نے بچپن سے پایا تھا۔ قلندر باباؒ نے بہت سی رباعیات کہیں جن میں معرفت کے نکات، آدمِ خاکی کی حیثیت اور عالم رنگ و بو کی حقیقت کو اپنے مخصوص انداز میں بیان کیا ہے۔ ان رباعیات میں جو گہرائی ہے وہ مقام ولایت و عرفان ہیں آپ کی عظمت کی گواہی دیتی ہے۔

کرامت کی سائنس کو متعارف کرانے کے لئے قلندر بابا اولیاءؒ نے اپنے نانا بابا تاج الدین ناگپوریؒ کا تذکرہ "تاج الدین بابا" لکھوایا۔

یہ تذکرہ اگلے صفحہ پر پیش ہے۔

تذکرہ تاج الدین باباؒ:

یہ ایک مختصر تذکرہ اس بات سے متعلق ہے کہ اولیاء اللہ کس طرح سوچتے ہیں اور اُن کی باتوں کا اہم موضوع کیا ہوتا ہے۔ بابا تاج الدینؒ کی کرامتوں کا تذکرہ سب سے پہلے گجراتی زبان کی ایک تالیف مین کیا گیا تھا۔ بعد میں ہندی اور اُردو میں وہ نسخے مرتب ہوئے جن میں کچھ کو گجراتی زبان کی اس تالیف سے اخذ کیا گیا اور کچھ روایت کے طور پر بہت سے حضرات کے بیان کردہ واقعات اضافہ کئے گئے۔ تاہم کسی تذکرہ میں ان مخفی علوم کو نقطۂ نظر نہیں بنایا گیا تھا جن کا تعلق بابا رحمتہ اللہ علیہ کے ذوقِ طبیعت اور قدرت کی رازداری سے ہے۔ وہ صرف خصوصی مسائل ہی میں نہیں بلکہ عام حالات میں بھی اپنی گفتگو کے اندر ایسے مرکزی نقطے بیان کر جاتے تھے جو براہِ راست قانونِ قدرت کی گہرائیوں سے ہم رشتہ ہیں۔ بعض اوقات اشاروں اشاروں ہی میں وہ ایسی بات کہہ جاتے جس میں کرامتوں کی علمی توجیح ہوتی اور سننے والوں کی آنکھوں کے سامنے یکبارگی کرامت کے اصولوں کا نقشہ آجاتا۔ کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا کہ اُن کے ذہن سے تسلسل کے ساتھ سننے والوں کے ذہن میں روشنی کی لہریں منتقل ہو رہی ہیں اور ایسا بھی ہوتا کہ وہ بالکل خاموش بیٹھے ہیں حاضرین من و عن ہر وہ بات اپنے ذہن میں سمجھتے اور محسوس کرتے چلے جاتے ہیں جو باباؒ کے ذہن میں اس وقت گشت کر رہی ہے۔

حضرت اللہ کریم

شکر درا کے رہنے والے دیکھتے تھے کہ شکر درا کے صدر دروازے پر ایک شخص کھڑا رہتا۔ لوگ انہیں اللہ کریم کہتے تھے۔ حضرت اللہ کریم کو کمبل یا کوئی کپڑا نذر جاتا تو آپ بازار لے جا کر اسے فروخت کر دیتے اور جو پیسے ملتے انہیں محتاجوں میں تقسیم کر دیتے۔

لوگ یہ بھی دیکھتے کہ صدر دروازے پر دربان کی طرح کھڑے ہوئے اللہ کریم کبھی کبھی یکایک مؤدب ایستادہ ہو جاتے اور بآوازِ بلند پکارتے:

"خبردار ہو جاؤ، لال بنگلہ آتا ہے۔"

دس پندرہ منٹ بعد شکر درا کے محل سے حضور بابا تاج الدین باہر آتے۔ گویا آپ پہلے سے لوگوں کو بابا صاحب کے آنے کی اطلاع کر دیتے تھے تاکہ وہ ہوشیار ہو جائیں۔ اسی طرح جب بابا صاحب کی سواری سامنے سے گزرتی تو حضرت اللہ کریم فوجی انداز سے سیلوٹ کرتے اور جب تک بابا صاحب واپس نہیں آتے، دروازے پر اسی طرح موجود رہتے جیسے نگہبانی کے فرائض انجام دے رہے ہوں۔

حضرت اللہ کریم کا وصال بابا صاحب کے پردہ فرمانے کے کچھ دن بعد ہو گیا اور تاج آباد کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔

باب ۹

بابا تاج الدین کے کشف و کرامات

دال بھات:

متھرا پرشاد امراوتی والے کہتے تھے کہ باباصاحبؒ کی غلامی پر پہلے بھی بہت سے ہندو بھائی مجھے طعنہ دیتے تھے۔ میرے گھر والے کہتے تھے کہ تیرا دھرم بھرشٹ ہو گیا۔ یہ لعنت ملامت اس وقت اور بھی زیادہ ہو گئی جب میرا داماد مرض الموت میں گرفتار ہوا۔ میری بیوی نے مجھ سے کہا "تم نے اپنا دھرم تو خراب کر ہی لیا، اب دنیا بھی خراب ہونے والی ہے۔ ایک بیٹی ہے، وہ بھی صبح و شام بیوہ ہونے والی ہے۔ آخر تمہارے بابا کس دن کام آئیں گے؟ تم ان کی بڑی کرامتیں بیان کرتے رہتے ہو۔ اپنے داماد کو تو موت سے بچالو۔" بیوی کی بات تیر کی طرح میرے دل میں لگی۔ میں نے کہا کہ اس کو بس میں بٹھا کر ناگپور لے چلو۔ ڈاکٹروں نے کہا یہ کچھ ہی دنوں کا مہمان ہے، اگر مارنے کی جلدی ہے تو ضرور لے جاؤ۔ دوسرے لوگوں نے بھی بہت سمجھایا لیکن میں نہیں مانا۔ میں نے ان سے کہہ دیا کہ اسے باباصاحب سے ٹھیک کرا کے دم لوں گا ورنہ تمہیں اپنی شکل نہیں دکھاؤں گا۔

مختصر یہ کہ میرے گھر والوں نے میرے داماد کو بستر پر ڈال کر بس

ہیں لٹا دیا اور ڈاکٹر کو ساتھ لے کر شکر درا پہنچے۔ میں بس سے اتر کر سیدھا باباصاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور جاتے ہی عرض کیا۔ "بابا! میں اپنے داماد کو ساتھ لایا ہوں جو چند ہی لمحوں کا مہمان ہے۔ یا تو یہ اچھا ہو جائے ورنہ آپ کا منہ یہاں بھی کالا، وہاں بھی کالا۔"

میری یہ گستاخانہ بات سن کر باباصاحبؒ نے ایک ہاتھ سے میرا ہاتھ پکڑا اور دوسرا ہاتھ مجھے مارنے کے لئے اٹھایا اور فرمایا۔ "کیا کہا؟"

میں نے کہا۔ "باباجی چاہے مارو، چاہے چھوڑو۔ بات یہی ہے جو میں نے کہی ہے۔ میری عزت و آبرو آپ کے ہاتھ میں ہے۔" باباصاحبؒ نے ہاتھ جھٹک کر فرمایا۔ "جا دال بھات کھلا، اچھا ہو جاتا ہے۔"

میں واپس بھاگا اور دال بھات تیار کر کے اس کو کھلایا۔ تمام لوگ میری اس حرکت کو دیوانہ پن سمجھ رہے تھے کیونکہ پیچش کے مریض کو آخری اسٹیج پر جب کہ پانی بھی ہضم نہیں ہوتا، دال بھات کھلانا کوئی عقل مندی کی بات نہیں تھی۔ داماد دال بھات کھاتے ہی سو گیا۔ شام کو جاگا اور دوبارہ دال بھات مانگا اور کھا کر رات بھر سوتا رہا۔ اگلے دن وہ بالکل تندرست ہو گیا اور اپنے پیروں سے چل کر باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

اٹیک، فائر:

نرید صاحب فضا نے بیان کیا کہ تقریباً ۱۹۰۹ء کے ابتدائی زمانے میں باباصاحب واکی شریف میں مقیم تھے۔ میں پروفیسر محمد عبد القوی لکھنوی

کے ساتھ باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے پہنچا۔ پتہ چلا کہ باباصاحبؒ واکی شریف سے سات آٹھ میل دور جنگل میں تشریف فرما رہے ہیں۔ ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ باباصاحب ایک کھیت میں تشریف رکھتے ہیں۔ چاروں طرف ببول کے درخت ہیں جس کے سائے میں حاضرین بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس وقت باباصاحبؒ کھیت میں سے پتھر چن چن کر ڈھیر بنا رہے تھے۔ ہم دونوں بھی سلام کر کے اسی کام میں مصروف ہو گئے۔ یہاں تک کہ دو ڈھائی فٹ اونچا ڈھیر تیار ہو گیا۔ باباصاحبؒ نے فرمایا "اب دوسرا ڈھیر بناؤ اور جلدی بناؤ۔"

ہم لوگوں نے جلدی سے دوسرا ڈھیر تیار کر دیا۔ اب باباصاحبؒ نے ایک لکڑی ہاتھ میں لے کر فوجی احکامات جاری کرنا شروع کر دئے۔ "فلاں ڈویژن اِدھر مارچ کرو، فلاں ڈویژن اُدھر جاؤ، اٹیک، فائر!"

باباصاحب ایک خاص کیفیت میں یہ احکامات جاری کرتے رہے اور پھر فرمایا "یونانی بھاگے، پکڑو، پکڑو۔"

پھر فرمایا۔ "ہم نے یونانیوں کی کمر توڑ دی ہے۔ اب کبھی مقابلے پر کھڑے نہ ہوں گے۔"

باباصاحبؒ نے ہاتھ کی لکڑی پتھروں کے ڈھیر میں نصب کرتے ہوئے کہا۔ "یہ ترکی کی فتح کا جھنڈا ہے۔"

دو تین روز بعد اخبارات میں یہ خبر آئی کہ جنگ بلقان میں ترکوں نے یونانیوں کو بری طرح شکست دے دی اور ان کے ہاتھ مالِ غنیمت آیا

جنگِ عظیم اوّل کے واقعات و حالات باباصاحبؒ اس طرح بیان کرتے تھے گویا آپ خود جنگ میں شریک ہوں۔ لوگ ان واقعات کو نوٹ کر لیتے اور چند روز بعد اس کی تصدیق ہو جاتی تھی۔ ایک مرتبہ باباصاحبؒ نے غصہ میں پتھر اٹھا کر ایک مکان کو مارا اور کہا "بڑا آیا اینٹورپ، فتح نہیں ہوتا۔"

لوگوں نے وقت نوٹ کر لیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ٹھیک اسی وقت اینٹورپ پر ایک بم اور گرا اور وہ فتح ہو گیا۔

بھوت بنگلہ:

ایک نوجوان اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر کی حیثیت سے ناگ پور تعینات کیا گیا۔ اس نے جس بنگلے میں قیام کیا وہ آسیب زدہ مشہور تھا۔ لوگوں نے اسے پہلے پیش آنے والے واقعات سنا کر بنگلے میں قیام کے ارادے سے باز رکھنا چاہا۔ انگریز اسٹیشن ماسٹر، نورس نے بھی منع کیا۔ لیکن اس نے ان باتوں پر توجہ نہ دی۔

رات کو بارہ بجے جب عثمان بستر پر لیٹا ہوا تھا، باہر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ پھر کسی چیز کے گرنے کی آواز آئی اور چیخیں بلند ہوئیں۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ بنگلے کے احاطے میں ایک زوردار قہقہہ گونجا اور کسی کے دوڑنے کی آواز آئی۔ صبح عثمان کمرے سے باہر نکلا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ برآمدے میں ہلدی میں پکے ہوئے چاول اور مٹی کی ایک

ہنڈیا ٹوٹی پڑی تھی۔ اگلی رات بھی اس سے ملتا جلتا شور سنائی دیا اور صبح برآمدے میں ایک انسانی ہاتھ پڑا ہوا ملا۔

ان حالات کے باعث عثمان کے اعصاب جواب دے گئے اور اگلی رات اس نے ایک ہوٹل میں گزاری۔ حسبِ عادت صبح جب چہل قدمی کے لئے نکلا تو ایک جگہ لوگوں کا ہجوم دیکھ کر رک گیا۔ ہجوم ایک سبز پوش بوڑھے کے پیچھے لگا ہوا تھا جو منہ ہی منہ میں کچھ بول رہا تھا۔ اس دوران بوڑھا تانگے میں سوار ہو کر ایک طرف کو روانہ ہو گیا۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ یہ بزرگ تاج الدین باباؒ ہیں۔ عثمان پہلے بھی تاج الدین بابا کا تذکرہ ایک ولی اللہ کی حیثیت سے سن چکا تھا۔

مٹی کی تصویر :

سیر کے دوران عثمان کالج کے قریب سے گزر رہا تھا کہ ایک ہم وطن عبدالغفار نے آواز دی۔ وہ ان دنوں قانون کا طالب علم تھا۔ اس کے جبل پور کے دو اور ساتھی فضل الکریم اور عباسی بھی اسکے ساتھ تھے۔ انہیں عثمان کی آمد کا علم ہوا تو خوشی میں چائے پر مدعو کر لیا۔

مقررہ وقت پر وہ ہاسٹل پہنچ گیا۔ "چلو چائے شہر میں پئیں گے۔" عباسی نے کہا "موقع ملا تو تاج الدین باباؒ سے بھی مل لیں گے۔"

سارے راستے اسی نوع کی گفتگو ہوتی رہی۔ اس میں معراج کا مسئلہ چل نکلا۔ فضل الکریم روحانی اور عبدالغفار جسمانی معراج کے قائل تھے۔ ایک اچھے سے ہوٹل میں چائے پی کر وہ لوگ شکر درا پہنچے تو وہاں عجیب منظر

دیکھا۔ ایک فوٹو گرافر بڑا سا کیمرہ تپائی پر جمائے باباؒ کی تصویر لینا چاہتا تھا اور وہ اس پر رضامند نہ تھے۔ تاہم اس کے اصرار پر کرسی پر بیٹھ گئے مگر وقت پر ہل جاتے تھے۔ فوٹو گرافر افسردگی سے بولا "بابا! میں تو آپ کی تصویر فروخت کر کے بال بچوں کا پیٹ پالنے کی فکر میں تھا مگر آپ کو ذرا خیال نہیں۔"

"کیا بولا رے، کیا بولا!" بابا تڑپ گئے۔ "لے، اچھا اُتار لے مٹی کی تصویر۔" تصویر کھینچ لی گئی، فوٹو گرافر خوش ہو گیا۔ معاً بابا کی نگاہ ان چاروں پر پڑی تو تیوری پر بل پڑ گئے اور بولے۔ "انگریزی پڑھ کے آئے ہیں اور کہتے ایسے ہیں کہ حضور کو معراج روحانی ہوئی تھی۔"

چاروں چونک پڑے اور باباؒ اپنے حجرے کی طرف چل دیے۔ اب انہیں باباؒ کے سامنے جانے کی ہمت نہ تھی۔ واپسی کا ارادہ کیا مگر عثمان اور عبد الغفار آگے بڑھے۔ ایک خدمت گار باباؒ کے پاؤں دابنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بابا نے اسے منع کر دیا اور عبد الغفار کی جانب دیکھ کر بولے۔ "لے رے لڑکے، تو پیر دبا۔"

عثمان نے بھی شامل ہونا چاہا لیکن باباؒ نے اسے منع کر دیا۔ عبد الغفار نے پنڈلی کو ہاتھ لگایا تو وہ بے حد سخت تھی۔ بابا نے پٹھے اکڑا لئے تھے۔ دو منٹ بعد اس نے ہاتھ روکتے ہوئے کہا۔ "بابا! آپ تو پنڈلی اکڑائے بیٹھے ہیں، میں پاؤں کیسے دباؤں؟"

"تو ڈھیلی کر لے نہ، لگا سانس کا زور!"

"اس میں سانس کام نہیں آتی۔ آپ خود پاؤں ڈھیلا چھوڑ دیجئے۔"

وہ پہلے ہنسے اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولے۔ "تو اچھا لڑکا ہے، بتا کیا چاہتا ہے؟"

"بابا! پڑھ لکھ کر نوکری تو مل جائے گی۔ مگر کیسے ملے؟"

وہ قدرے چونک کر کہنے لگے۔ "محنت کرتے، بچے پالتے، خدا مل جاتا جی۔" فضل الکریم اور عباسی داخل ہوئے تو وہ ادھر متوجہ ہو گئے۔ "کیوں رے! اب بتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج روحانی ہوئی کہ جسمانی؟"

دونوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ عبد الغفار فوراً بولا۔ "بابا غلطی ہوئی، معاف کر دو۔"

وہ خوش خوش نظر آئے، پھر یوں گویا ہوئے "کرسی پر بیٹھو گے، فوٹو اتر واؤ گے، پھر سمجھ میں آجائے گا۔ اچھا اب تم جاؤ۔"

پراسرار گارڈ:

عثمان عرضِ مدعا نہ کر سکا اور اٹھ کر چلنے ہی والا تھا کہ باباؒ کی آواز آئی۔ "او نالائق! تو کائے کو ڈرتا ہے؟ ڈنڈا رکھ کر سونا۔ وہ آئیں گے، مار دینا۔" عثمان ان کی طرف متوجہ ہوا تو ہنس کے بولے "تیری سمجھ میں بھی آجائے گا، معراج جسمانی ہوئی کہ روحانی۔"

پھر دوسرے لوگوں کی جانب متوجہ ہو گئے اور مخصوص انداز میں بولنے لگے۔ اسی لمحے عثمان کو بنکٹ راؤ گارڈ اندر کونے میں بیٹھا نظر آیا۔ وہ ٹکٹکی باندھے بابا کو دیکھے جا رہا تھا۔ اس وقت چھ بجے تھے اور بنکٹ راؤ کو سوا چھ

بجے والی گاڑی لے کر بمبئی جانا تھا۔ لیکن ابھی تک اس نے وردی بھی نہیں پہنی تھی۔ اور اتنے کم وقت میں وہ اسٹیشن مشکل ہی سے پہنچ سکتا تھا۔ بابا نے بنکٹ راؤ کو "سلیمان" کہہ کر مخاطب کیا اور آہستہ سے کچھ کہا۔ اس پر وہ مسکرا دیا لیکن اسی جگہ بیٹھا رہا۔

یہ چاروں بابا تاج الدینؒ کی روشن ضمیری سے بے حد متاثر ہو کر اٹھے۔ عثمان کو تو جیسے چپ ہی لگ گئی تھی۔ "ڈنڈا رکھ کر سونا، وہ آئیں گے، مار دینا۔" بابا کے الفاظ اس کے ذہن میں گونج رہے تھے اور وہ ان کے مفہوم سے بے خبر تھا۔ پھر سوچنے لگا، ڈنڈے سے کیا بنے گا۔

راستے میں عثمان نے تفصیل سے آسیبی بنگلے کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے دوستوں کو باباصاحبؒ کی ہدایت بتائی کہ ڈنڈا رکھ کر سونا۔ وہ سب حیران رہ گئے اور معمہ حل نہ کر سکے۔ پروگرام بنا کہ پہلے اسٹیشن پر چائے پی جائے اور پھر بھوت بنگلہ کی سیر کی جائے۔

عثمان نے کہا۔ "میں بنکٹ راؤ کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ اسے سوا چھ بجے پسنجر لے کر اٹاری جانا ہے لیکن وہ تو بابا کے پاس بیٹھا ہے اور وہ واپس آتا نظر بھی نہیں آیا۔ سوا چھ بجنے میں ایک منٹ باقی ہے۔"

فضل الکریم نے بے ساختہ پوچھا۔ "یہ وہی گارڈ تو نہیں جو دوہری شخصیت کی وجہ سے مشہور ہے۔ بیک وقت بابا کے پاس رہتا ہے اور ڈیوٹی پر بھی۔ سنا ہے کہ باباصاحب کا خاص معتقد اور فنافی الشیخ ہے۔"

وہ سیدھے اسٹیشن پہنچے اور پلیٹ فارم پر قدم رکھا ہی تھا کہ اٹاری پسنجر گاڑی سیٹی دے کر روانہ ہوئی۔ گارڈ کا ڈبّہ سامنے سے گزرا اور وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ بنکٹ راؤ وردی میں ملبوس سبز جھنڈی ہلا رہا ہے۔ پھر اس نے انہیں سر کی جنبش سے سلام کیا اور دور تک مسکراتا رہا۔ بنکٹ راؤ کا اتنے کم وقت میں اسٹیشن پہنچ جانا ان کے لئے معمّہ بن گیا۔ پھر ایک ساتھی نے تجویز پیش کی، ہمیں باباجی کے پاس جا کر تمام واقعے کی تحقیق کرنی چاہئے۔ وہ لوگ دوبارہ شکر درا پہنچے۔ فضل الکریم اور عباسی سڑک پر ہی رک گئے کہ بابا جی کے سامنے جاتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ عبدالغفار اور عثمان نے ہمت کی۔ حجرے میں میلاد شریف کا غلغلہ بلند تھا۔ انہوں نے جھانک کر دیکھا۔ سلام پڑھا جا رہا تھا۔ باباجی حالتِ وجد میں جھوم رہے تھے اور بنکٹ راؤ ان کے قریب مؤدّب کھڑا تھا۔ باباجی کی آنکھیں بند تھیں اور ان سے اشک رواں تھے۔

معراج:

"ارے نوج! درود پڑھو۔ بڑے سرکار کی سواری آ رہی ہے۔" درود کا غلبہ بلند ہوا اور ایک لطیف سی خوشبو پھیل گئی۔ سلام پڑھا جا چکا تھا۔ باباجی فرش پر بیٹھ گئے اور ذرا فاصلے پر بنکٹ راؤ بھی۔ وہ دونوں حُجرے کے دروازے کی اوٹ میں کھڑے تھے۔ اس حیرت انگیز مشاہدے کے بعد الٹے پاؤں احاطے کے پھاٹک کی جانب لپکے جہاں تانگے پر ان کے ساتھی منتظر

تھے۔ پھر ایک عجیب منظر دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ عباسی اور فضل الکریم تھر تھر کانپ رہے تھے۔ بابا جی خود ان کے سامنے موجود تھے اور ان پر جلال کی کیفت طاری تھی۔ انھوں نے پلٹ کر حجرے کی طرف دیکھا تو ان کو اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا۔ بابا حجرے میں تھے۔ شاید یہ کوئی دوسرے بزرگ ہوں۔ اسی لمحے بابا جی کی جانی پہچانی آواز نے ان کا شبہ دور کر دیا۔ مگر وہ کب اور کیسے وہاں پہنچے۔ جب کہ راستہ صرف وہی تھا۔ وہ حیرت کی تہوں میں اترتے جا رہے تھے۔

"انگریزی پڑھنے والو! بتاؤ، حضورؐ کو روحانی معراج ہوئی تھی؟" تاج الدین بابا کی آواز میں غصہ غالب تھا۔ "اب لڑاؤ اپنی سائنس!"

"معاف کر دیجئے، بابا جی! غلطی ہوئی۔" عبد الغفار نے عاجزی سے کہا۔

وہ فوراً ادھر متوجہ ہوئے۔ ان کی تیوری پر بل تھے اور چہرے پر ملال اور ناگواری کا عکس۔ "نامعقول تو پھر آگیا۔ جا تیرا عہدہ گھٹا دیا۔"

ان کے پھرے تیور دیکھ کر عثمان عبد الغفار کی اوٹ میں دبک گیا۔ اس کی حالت دیکھ کر بابا کو ہنسی آگئی۔ "تو کائے کو ڈرتا ہے عثمان! ڈنڈا رکھ کے سو جا۔۔۔ سلیمان کی ٹوہ نہ کرنا، اپنی ٹوہ لگانا۔ پھر سمجھ آجائے گا معراج کس کو بولتے ہیں۔"

اس رات کو بھوت بنگلے کا پروگرام ملتوی کر کے وہ تینوں کالج ہوسٹل چلے گئے اور عثمان بنگلے واپس آگیا۔ اس رات کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔

بھیانک رات:

اگلی صبح عثمان اسٹیشن کی طرف روانہ ہوا۔ چوتھے بنگلے کے ڈاکٹر چودھری کی تختی اس نے پہلے بھی دیکھی تھی جس پر خاصے موٹے حروف میں اس کی ڈگریاں کندہ تھیں۔ مگر اس وقت وہ ساری ڈگریاں ایک خوبصور ت چہرے کی اوٹ میں چھُپ گئیں۔

"ٹامی، ٹامی!" ایک باریک نسوانی آواز بلند ہوئی۔ اس نے ایک چھوٹے سے کتے کو دم ہلاتے دیکھا۔ پھر وہ خوبصورت چہرہ اندر چلا گیا۔ اس خاتون کا ذکر اس سے کسی دوست نے کیا تھا۔ اس کا نام للیتا دیوی تھا۔ وہ ڈاکٹر چودھری کی بیوی تھی اور ڈاکٹر چودھری ریلوے میں اچھے مشاہرے پر ملازم تھے۔

اس رات دو بجے کے قریب اچانک عثمان کی آنکھ کھلی۔ باہر احاطے میں قدرے تیز آواز میں وحشت خیز قہقہہ بلند ہوا۔ کسی کے بھاگنے کی آہٹ سنائی دی۔ پھر بجلی کی طرح اسے بابا کے الفاظ یاد آئے۔ عثمان نے ڈنڈا سنبھالا۔ ٹارچ اٹھائی اور جی کڑا کر کے دروازے کا پٹ کھول دیا۔ برآمدہ بالکل سنسان تھا۔ ٹارچ کا رخ بڑے لان کی طرف مڑا تو سوکھے گملوں کی اوٹ میں دو سرخ انگارے چمکے اور غائب ہو گئے اسے آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی اور دہشت سے جھرجھری آگئی۔ وہ اندر آیا اور دوبارہ بستر پر دراز ہو گیا۔ زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ کمرے کے اندر ہیبت ناک چیخ بلند ہوئی۔ اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے ڈنڈا مضبوطی سے تھام لیا۔ پھر دس منٹ بعد چھت

کی پراسرار آوازیں اچانک مدھم ہو گئیں۔ عثمان کی نظر روشندان کی ڈوری پر چلی گئی۔ وہ ہل رہی تھی۔ بالائی سرے پر کوئی چیز رسّی سے لپٹی نظر آئی۔ ڈھندلا اور پراسرار ہیولیٰ رسی پر سرکتا ہوا نیچے کی طرف آیا۔ اس کے تعاقب میں ویسا ہی ایک اور سایہ دکھائی دیا۔ وہ رسّی کے سہارے فرش پر اترے اور سرکتے ہوئے چارپائی کی جانب بڑھے۔ عثمان نے تاک کر دونوں کے سر کچل دیے۔ اور اسی لمحے بابا کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔ "کیا اور بھی آئیں گے؟" وہ سوچنے لگا۔

سانپوں کے مرجانے کے بعد صبح تک کوئی پراسرار آواز نہ آئی۔ چڑیاں چہچہانے لگیں۔ عثمان اٹھا۔ لباس تبدیل کیا۔ اور مردہ سانپ وہیں چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ چند چڑیاں برآمدے میں بکھرے ہوئے زرد چاول چگ رہی تھیں۔ احاطے میں آیا تو رات کے پراسرار قہقہے اس کے ذہن میں اجاگر ہو گئے۔ گملوں کی اوٹ میں جدھر دو انگارے سے چمکے تھے، اُدھر نگاہ دوڑائی تو اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ خشک اور ویران لان میں خون کے تازہ دھبّے دکھائی دیے۔ اس کے قدم رک گئے۔ دوسری جانب سے لمبا چکر کاٹ کر گیٹ کی جانب بڑھا ہی تھا کہ وہاں ایک تانگہ آکر رکا۔ آنے والے عبدالغفار اور فضل الکریم تھے۔

عثمان نے ان کو سارے واقعات سنائے اور جائے وقوع بھی دکھائی۔ فضل الکریم نے بنگلے کا بغور جائزہ لیا۔ اور سب کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ قریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر واقع مہتر کی بستی میں پہنچا۔ وہاں پر پوچھنے

پر معلوم ہوا کہ بھگوت نامی مہتر کا کتا غائب ہو گیا ہے۔ فضل الکریم نے بستی کے مکینوں کو بتایا کہ کتے کو کسی نے مار دیا ہے۔ یہ سن کر لوگوں نے کہا کہ اس کتے کی شرارتوں سے تنگ آ کر اُسے بستی سے باہر نکال دیا گیا تھا اور اس نے ایک مرگھٹ میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ اس کی عادت تھی کہ رات گئے مرگھٹ سے لوگوں کے گھروں میں آ کر چیزیں چرا لے جاتا تھا۔ وہ ہنڈیا لے کر بھاگ جاتا اور ہنڈیا کو زور سے زمین پر مار کر توڑ دیتا اور کھانا کھا لیتا تھا۔ اس انکشاف سے سب کو پتہ چلا کہ بھوت بنگلے میں پائی جانے والی ہنڈیا اور چاول بھگوت کے کتے کی کارستانی تھی۔ فضل الکریم سب کے ساتھ دوبارہ بنگلے آیا اور وہاں خون کے دھبوں کے قریب پائے جانے والے نشانات کو دیکھ کر بتایا کہ ان ہی نشانات کی وجہ سے اس کا ذہن بھوت بنگلے کے واقعات کا سراغ لگانے میں کامیاب ہوا ہے۔ فضل الکریم نے انکشاف کیا کہ وہ نشانات لکڑ بگھے کے پیروں کے ہیں جو کتے کا گوشت شوق سے کھاتا ہے اور پھر ایسی آواز نکالتا ہے جیسے قہقہہ بلند ہوتا ہے۔ ہوا یہ کہ پہلی دو راتیں کتے اور لکڑ بگھے میں کشمکش ہوتی رہی اور پھر کتا قابو میں آ گیا۔ انسانی ہاتھ بھی کتا ہی مرگھٹ سے اٹھا لایا تھا۔

فضل الکریم باتیں کرتے کرتے یکایک سنجیدہ ہو گیا اور غور سے بنگلے کا چھپر دیکھنے لگا۔ ساتھیوں کو وہیں چھوڑ کر عمارت کے گرد ایک چکر لگایا اور واپس آ کر پُراسرار انداز میں گویا ہوا "جلدی سے ایک سیڑھی اور دو تین جھاڑو کا بندوبست کر ڈالو۔"

سیڑھی ڈاکٹر چودھری کے بنگلے سے مل گئی۔ فضل الکریم نے چھت
گیری ادھیڑ کر علیحدہ کر دی۔ گرد کی موٹی تہ غبار کی شکل میں کمرے میں
پھیل گئی۔ چھپر اور چھت گیری کے درمیانی خلا کی صفائی مدت سے نہ ہوئی
تھی۔ مختلف پرندوں نے گھونسلے بنا رکھے تھے اور چھپکلیاں بڑی تعداد میں
رینگ رہی تھیں۔ فضل الکریم نے سارے آشیانے اجاڑ دیے۔

دو روز گزر گئے اور کوئی نیا واقعہ پیش نہیں آیا۔ رفتہ رفتہ وحشت کا
احساس زائل ہوتا رہا۔ پھر عثمان کا اعتماد مکمل طور پر بحال ہو گیا۔ تاہم اس
کے ذہن میں ایک نامعلوم سی خلش موجود تھی۔

بڑا دیو :

ایک شام وہ کالج ہاسٹل سے لوٹ رہا تھا کہ باباجی تانگے میں آتے
دکھائی دیے۔ وہ گھبرا کر ایک درخت کی اوٹ میں چھپ گیا۔ تانگہ قریب
آکر رُک گیا۔ باباجی نیچے اترے اور اسی طرف چل دیے جہاں عثمان درخت
کی اوٹ میں چھپا ہوا تھا۔ عثمان تھر تھر کانپنے لگا۔ باباجی کو ہنسی آگئی۔ "او
عثمان! اب کائے کو چھپتا رے، سانپاں تھے مر گئے۔ اب کائے کو ڈرتا
ہے، نکو ڈرتے رے، تاج الدین سے نکو ڈرتے۔ اللہ سے ڈرتے۔"

عثمان نے ادب سے سلام کیا۔ باباجی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے
ساتھ ہی تانگے میں بیٹھا لیا اور شکر درا کی طرف چل دیے۔

آبادی سے گزرے تو معتقدین کے ایک ہجوم نے تانگہ گھیر لیا۔
مجبوراً باباجی نیچے اتر آئے۔ حاجت مندوں کو دعائیں دیتے، جھڑکتے، حالتِ

جذب میں مسکراتے، خفا ہوتے اور عثمان کا ہاتھ پکڑے آگے بڑھتے رہے۔
شکر دراتک یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔

کے جلوس میں بابا اور عثمان راجہ راگھوجی کے محل میں داخل ہوئے اور اس چھوٹے سے مندر کا رُخ کیا جہاں تین دن پہلے سالانہ میلہ لگا تھا۔ چہل پہل ابھی باقی تھی۔ باباجی کو دیکھ کر دو تین پنڈت ہاتھ جوڑے باہر نکل آئے۔ باباجی نے نرم لہجے میں کہا "تمہارا بڑا دیو بڑا میلا کچیلا اور گندا لگتا ہے جی۔ میں اسے نہلاؤں؟"

"نہیں بابا! آپ دیا کریں۔ ہم آپ ہی اشنان کرادیں گے۔" انھوں نے گھبرا کر جواب دیا۔

"بابا کو نہلانے دیتے رے! تم پنڈتاں راگھوجی لی اور اپنی لٹیا ڈبو کر دم لوگے۔ تاج الدین کی بات مان لیتے رے!"

"نہیں بابا!" انہوں نے یک زبان ہو کر کہا۔ بابا ہنس کر آگے بڑھ گئے اور پھر آہستہ سے بڑبڑائے۔ "عثمان! تو ان کے مہادیو کو ضرور نہلانا رے۔"

عثمان! تو ان کے مہادیو کو ضرور نہلانا رے۔"

عثمان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پنڈتوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ عثمان کو بعد میں معلوم ہوا کہ بابا پہلے بھی ایک بار اسی مندر میں آئے تھے اور ان کی اس بات پر ہندو بگڑ گئے تھے لیکن کسی کو الجھنے کی ہمت نہ ہوئی تھی۔
اسی احاطے میں راجہ راگھوجی نے لوہے کے کٹہرے میں شیر پال رکھا

تھا۔ بابا کی نگاہ اس پر گئی تو بولے "ارے اسے کیوں بند کر رکھا ہے؟ بے چارہ پریشان ہو رہا ہے نا۔ کنبے سے بچھڑ گیا، کتا بن گیا۔ ٹامی، ٹامی!"

عثمان چونک پڑا۔ ڈر کے مارے اس کا سانس پھولنے لگا اور جسم پر رعشہ طاری ہو گیا۔ بابا نے بڑھ کر پنجرے کا پھاٹک کھول دیا۔ شیر باہر نکل آیا۔ لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ صرف بابا کا خادم پہلوان، بنکٹ راؤ اور عثمان رہ گئے۔ بابا نے کہا۔ "بڑا اچھا کتا ہے۔" پھر عثمان سے مخاطب ہوئے "پنجرے میں پھنستا تو شیر کتا بن جاتا نا۔ تو بھی ٹامی بنے گا عثمان اور بڑے دیو کو نہلائے گا؟"

اس براہِ راست خطاب سے عثمان کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر گھگی بندھ گئی۔ اس کی نظریں شیر پر جمی ہوئی تھیں۔ مگر بنکٹ راؤ ہر بات سے بے نیاز صرف بابا جی کو دیکھ رہا تھا۔ بابا جی شیر کو چمکارتے ہوئے اپنے حُجرے تک لے گئے۔

کسی نے راجہ راجہ راگھوجی کو خبر کر دی۔ وہ رائفل سنبھالے دوڑا آیا اور یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ شیر بابا جی کے قدموں بیٹھا ہے۔

"او نالائق! اب کائے کو آیا۔ کتے کو پنجرے میں ڈالتے تو بھوکا نکو رکھتے، تیرے کو بھی پنجرے میں بند کر دوں؟"

"نہیں بابا جی!" اس نے گھبرا کر جواب دیا "آپ اسے کٹہرے میں بند کر دیجئے، لوگ ڈرتے ہیں۔"

"یہ آپی بند ہو جائے گا۔ کل سے بھوکا ہے۔ تو اس کے کھانے کا

بندوبست کر۔"

"میں ابھی بندوبست کرتا ہوں باباجی مگر۔۔۔۔"

"مگر وگر کچھ نہیں۔" بابا بگڑے بیٹھے اور پھر شیر سے مخاطب ہوئے

"جارے جا، تیرا راتب مل جائے گا۔ اپنے پنجرے میں انتظار کر۔"

شیر نے حکم کی فوراً تعمیل کی۔ راگھوجی کو تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ شیر واقعی چوبیس گھنٹے سے بھوکا تھا۔ گوشت کا انتظام جس آدمی کے سپرد تھا، وہ بغیر بتائے چھٹی پر چلا گیا تھا۔

عثمان چپکے سے واپس آگیا اور بابا کے پاس دوبارہ نہ جانے مصمّم ارادہ کرلیا۔

زہریلی چھپکلی:

ایک دن عثمان کالج ہوسٹل پہنچا۔ وہاں اسے معلوم ہوا کہ کچھ ہی دیر پہلے تاج الدین بابا ادھر سے گزرے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں ڈھاک کے پتے کا دونا تھا۔ سیدھے ہندوؤں کے میس میں آئے اور رسوئی میں گھس گئے۔ ہندوؤں کو یہ بات ناقابلِ برداشت تھی۔ چند متعصّب طلبہ بہت طیش میں آئے مگر بابا کا احترام ان کے ارادوں میں حائل ہو گیا۔ بابا نے کڑھی نما سالن کا پتیلا کھولا۔ پھر فوراً پلٹے اور چیختے چلاتے ڈائننگ ہال کی طرف لپکے۔ ایک جٹادھاری برہمن کے ہاتھ سے نوالہ چھین لیا اور کڑھی کا پیالہ اٹھا کر فرش پر انڈیل دیا۔ "یہ نکو کھاتے رے، نکو کھاتے۔" وہ زور زور سے کہتے

رہے۔ "سب پھینک دو!"

یہ پہلی تھالی تھی جو ہال میں کھانے کے لئے لائی گئی تھی۔ لڑکے بابا کی حرکتوں پر خفا اور حیران تھے لیکن وہ برہمن لڑکا اچھل پڑا جس کے قریب پیالہ انڈیلا گیا تھا۔ سالن میں زہریلی مردہ چھپکلی پڑی تھی۔

بابا وہاں سے سیدھے اس کمرے میں چلے گئے جہاں عبدالغفار اور فضل الکریم بیٹھے تھے۔ ہاسٹل میں مسلمانوں کے لئے کھانے کا بندوبست نہ تھا۔ وہ اپنے ایک اور ساتھی کا انتظار کر رہے تھے کہ کھانا باہر جا کر کھائیں۔ بابا کو دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ وہ یہاں پہلے کبھی نہیں آئے تھے۔ انھوں نے ادب کے ساتھ سلام کیا۔ بابا نے سلام کا جواب دیتے ہوئے دونا ان کی طرف بڑھا دیا۔ اس میں چھ گلاب جامن تھے۔ ان میں سے دو گلاب جامن فضل الکریم اور عباسی کو دیے ہی تھے کہ دس بارہ ہندو لڑکوں کا جتھا دوڑتا ہوا آیا۔ برہمن لڑکا سب سے آگے تھا۔ وہ ہاتھ جوڑ کر باباؒ کے سامنے کھڑا تھا۔ عین اسی لمحے باباؒ نے دو گلاب جامن عبدلغفار کو دیتے ہوئے کہا۔ "چھپکلی نکو کھاتے رہے، گلاب جامن کھاتے، اپنا رتبہ گھٹاتے جی۔" پھر وہ فضل الکریم سے کہنے لگے۔ "عیباں نہیں ڈھونڈھتے جی، عیباں چھپاتے، بُروں کا اچھا بناتے، ان کے ساتھ بُرے نکو بنتے۔"

ان کی بے ربط باتوں کا مفہوم کوئی اور نہ سمجھ سکا۔ باباجیؒ پھر چوبے کی جانب متوجہ ہوئے۔ "مسلمان کا چھُوا نکو کھاتے۔ گلاب جامن نکو کھاتے۔ چھپکلیاں کھاتے کیوں رے نالائق؟"

"نہیں بابا۔" چوبے کی زبان سے نکلا اور اُس کا رنگ زرد پڑ گیا۔
"نہیں بابا، چوبے آپ کا چھوا تو شوق سے کھائے گا۔" یہ کہتے ہوئے عبد الغفار نے ایک گلاب جامن چوبے کو پیش کیا۔ وہ آداب بجالایا اور اُسے منہ میں رکھ لیا۔ باباؒ نے مسکراتے ہوئے عبد الغفار کی طرف دیکھا مگر کچھ بولے نہیں۔

دوسرے ہندو لڑکوں نے بھی باباؒ کو گھیر لیا اور خوشامد کرنے لگے کہ ہمارے پاس ہونے کی دعا کریں۔

"جاؤ رے جاؤ نالائقو! سب پاس ہو گئے۔" انہوں نے فقط اتنا کہا اور تانگے پر سوار ہو کر چلے گئے۔

دیکھنے کی چیز:

منشی محمد حسین مرحوم نے جو تحصیلدار کہلاتے تھے اور جنھوں نے واکی ہی میں رحلت فرمائی۔ ایک روز عرض کیا کہ میں نے اپنے وطن حیدر آباد کئی خط روانہ کئے مگر کوئی جواب نہیں آیا۔ جس کی وجہ سے طبیعت بہت پریشان ہے۔ بابا حضور نے فرمایا "تمہارے خطوط کہاں ہیں؟" پھر پشت کی طرف ہاتھ ڈال کر تمام خطوط نکال کر ان کے سامنے رکھ دیئے اور فرمایا "خطوط تو یہیں پڑے ہیں۔"

اسی طرح ایک روز جنگل میں بابا حضور نے تحصیل دار کو ایک درخت کے نیچے چادر بچھانے کا حکم دیا۔ پھر کچھ دیر بعد حکم دیا کہ چادر اٹھالے۔

انھوں نے دیکھا کہ چادر کے نیچے روپوں کا فرش بچھا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا" یہ سب میں لے لوں؟"

بابا نے ارشاد فرمایا" نہیں! یہ صرف دیکھنے کی چیز ہے، لینے کی نہیں۔" پھر آپ نے فرمایا۔" چادر ڈال دے۔"

انھوں نے چادر ڈال دی۔ پھر تھوڑی دیر بعد فرمایا۔" چادر اٹھا لے۔" حسب الحکم چادر اٹھائی گئی تو دیکھا کہ روپوں کے فرش کا نام و نشان تک نہیں ہے۔

طمانچہ اور تعلیم:

اب ایک واقعہ حضرت باباشاہ فرید الدین تاجی کی زبانی سنئے:

جھانسی سے ایک مشائخ صاحب حضور کی ملاقات کے لئے شکر درا تشریف لائے اور میرے ہی پاس ٹھہرے۔ ہم دونوں میں ہر وقت تصوف کی بات ہوتی۔ میں نے ایک دن جھانسی والے شاہ صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کوئی آسان طریقہ اس گھاٹی پر عبور حاصل کرنے کے لئے بتلائیں۔ آپ نے ایک ترکیب بتلاتے ہوئے فرمایا کہ اس عمل کو قبرستان میں کرنا پڑتا ہے۔ مجھے فقیری کا شوق تھا۔ میں ان کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کرنے کے لئے قبرستان جانے لگا۔ تیسرے دن کیا دیکھتا ہوں کہ حضور باباصاحب قبلہ کی آواز کانوں میں آرہی ہے۔ آپ خفا ہو ہو کر پکار رہے ہیں۔ جب میں نے مراقبہ سے آنکھ کھولی تو کچھ دکھائی نہ دیا اور میں اپنے کام

میں مشغول ہو گیا۔ آنکھ بند کرتے ہی پھر وہی آواز آنے لگی۔ میں گھبرا کر قبرستان سے اٹھا اور حضور کی جانب تالاب کے کنارے چلا گیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ حضور میرے پرانے جھونپڑے کے قریب آم کے درخت کے نیچے تقریباً تین بجے رات کو تشریف فرما ہیں۔ جیسے ہی میں قریب گیا، حضور نے فرمایا "کیوں رے کون بولا بڑے بڑے پہاڑاں کھودنے کو یہ ماجس لے۔"

یہ کہہ کر مجھے ماچس مرحمت فرمائی اور فرمایا "کاہے کو رے اِدھر اُدھر ڈھونڈتا ہے۔" اور کچھ ایسے الفاظ فرمائے جو میری سمجھ میں نہیں آئے۔ دل ہی دل میں عرض کیا کہ حضور میں نہ سمجھا کہ آپ نے کیا فرمایا۔ یہ میرے دل میں آنا ہی تھا کہ حضور نے ایک زور سے طمانچہ مار کر کہا "ذہن چراتا ہے۔" اور ایک صاحب کے کاندھے سے شال لے کر میرے ہاتھ میں دوپلو دیئے اور حضور نے دوپلو اپنے ہاتھ میں رکھ کر فرمایا "بچھا یہ ہے دوکان۔"

مثنوی ما دوکان وحدت است

وحدت اندر وحدت اندر وحدت است

حضور نے ماچس عنایت فرما کر لطیف طریقہ سے تعلیم دی کہ جس طرح ماچس میں روشنی ہے اسی طرح خود تیرے اندر اللہ کا نور موجود ہے۔ اللہ کو پاس رکھ کر اِدھر اُدھر کیا ڈھونڈتا ہے۔ اسے اپنے اندر تلاش کرو۔ تو اس کو جان جاؤ گے جس طرح کہ دیدار اور فہمید کے لئے کائنات میں نمودار اور پیدا ہوئے ہو۔

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

غافل تو کدھر بھٹکے ہے کچھ دل کی خبر لے
شیشہ جو بغل میں ہے اسی میں تو پری ہے

خود کوزہ وخود کوزہ گر خود گل کوزہ خود رنگ سبو کش
خود برسر آں کوزہ خریدار بر آمد بشکست رواشد

مطلب: آپ ہی تو پیالہ ہیں آپ ہی کمہار ہیں۔ آپ ہی پیالے کی مٹی ہے اور آپ ہی اس پیالے سے پینے والا ہے تو خود آکر پیالے کو خریدتا ہے اور خود ہی پیالے کو توڑ کر چل دیتا ہے۔

۲/مارچ ۱۹۴۹ء کو جناب عبدالعزیز صاحب عرف نانا میاں ناصر الدین صاحب نے بیان کیا کہ ایک بار ایک مشائخ جو پیری مریدی کرتے تھے۔ حضور میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور دعا فرمائیں کہ روحانیت میں ترقی ہو۔

میری آنکھوں سے ذرا آنکھ ملادے ساقی
آتشِ شوق مرے دل میں لگادے ساقی

حضور باباصاحب قبلہؒ نے جواب دیا "کتے کو مار کر لاہم دونوں کھائیں

گے۔" حضور کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل خواہشات دنیا میں ڈوبے ہوئے تھے۔ دنیا مردار اور اس کو چاہنے والا کتا ہوتا ہے۔ اگر اس کتے یعنی خواہشات کو مار دیا جائے تو انسان حقیقت کا ذائقہ چکھ سکتا ہے۔

شیر کی عقیدت :

ایک دن واکی شریف کے جنگل میں پہاڑی ٹیلے پر چند لوگوں کے ہمراہ چڑھتے چلے گئے۔ بابا مسکرا کر کہنے لگے "میاں جس کو شیر کا ڈر ہو وہ چلا جائے، میں تو یہاں ذرا سی دیر آرام کروں گا۔ خیال ہے کہ شیر ضرور آئے گا۔ جتنی دیر قیام کرے اس کی مرضی۔ تم لوگ خواہ مخواہ انتظار میں مبتلا نہ ہو، جاؤ کھاؤ پیو اور مزہ کرو۔"

بعض لوگ ادھر اُدھر چھپ گئے اور زیادہ چلے گئے۔ میں نے حیات خاں سے کہا، کیا ارادہ ہے۔ پہلے تو حیات خاں سوچتا رہا۔ پھر زیرِ لب مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے پھر سوال کیا "چلنا ہے یا تماشا دیکھنا ہے۔"

"بھلا بابا صاحب کو چھوڑ کے میں کہاں جاؤں گا!" حیات خان بولا۔

گرمی کا موسم تھا۔ درختوں کا سایہ اور ٹھنڈی ہوا غبار کے طوفان اٹھا رہی تھی۔

تھوڑی دور ہٹ کر میں ایک گھنی جھاڑی کے نیچے لیٹ گیا۔ چند قدم کے فاصلے پر حیات خاں اس طرح بیٹھ گیا کہ بابا تاج الدینؒ کو کن انکھیوں سے دیکھتا رہے۔

اب وہ دبیز گھاس پر لیٹ گئے تھے۔ آنکھیں بند تھیں۔ فضا میں بالکل سناٹا چھایا ہوا تھا۔

چند منٹ گزرے تھے کہ جنگل بھیانک محسوس ہونے لگا۔ آدھ گھنٹہ، پھر ایک گھنٹہ۔ اس کے بعد کچھ وقفہ ایسے گزر گیا جیسے شدید انتظار ہو۔ یہ انتظار کسی سادھو، کسی جوگی، کسی ولی، کسی انسان کا نہیں تھا بلکہ ایک درندہ کا تھا جو کم از کم میرے ذہن میں قدم بقدم حرکت کر رہا تھا۔ یکایک بابا کی طرف نگاہیں متوجہ ہو گئیں۔ اُن کے پیروں کی طرف ایک طویل القامت شیر ڈھلان سے اوپر چڑھ رہا تھا۔ بڑی آہستہ خرامی سے، بڑے ادب کے ساتھ۔

شیر نیم وا آنکھوں سے بابا تاج الدینؒ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ذرا دیر میں وہ پیروں کے بالکل قریب آگیا۔

بابا گہری نیند میں بے خبر تھے۔ شیر زبان سے تلوے چھو رہا تھا۔ چند منٹ بعد اس کی آنکھیں مستانہ واری سے بند ہو گئیں۔ سر زمین پر رکھ دیا۔

بابا تاج الدین ابھی تک سو رہے تھے۔

شیر نے اب زیادہ جرأت کر کے تلوے چاٹنا شروع کر دیئے۔ اس حرکت سے بابا کی آنکھ کھل گئی۔ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ شیر کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ کہنے لگے "تو آگیا۔ اب تیری صحت بالکل ٹھیک ہے۔ میں تجھے تندرست دیکھ کر بہت خوش ہوں۔ اچھا اب جاؤ۔" شیر نے بڑی ممنونیت سے دُم ہلائی اور چلا گیا۔

پتّے کیڑے بن گئے:

شکر درا میں بابا تاج الدینؒ ایک درخت کے نیچے بیٹھا کرتے تھے۔ گھنٹوں چُپ رہتے۔ نگاہ نیچی کئے گھٹنوں میں سر دیئے اس طرح جیسے کوئی مراقبہ کرتا ہو۔ لوگ ان کے اِرد گرد جمع ہو جاتے اور انتظار کرتے رہتے کہ وہ متوجہ ہوں۔ لیکن بعض دفعہ صبح سے شام ہو جاتی مگر ان کے سراپا میں کوئی حرکت نہیں ہوتی۔ حاضرین بالآخر مایوس ہو کر واپس چلے جاتے۔

باباؒ کی اس بے خودی کو حیات خاں چائے کی پیالی دے کر یا دوپہر کا کھانا پیش کر کے دور کرنے کی کوشش کرتا لیکن بار ہا ناکام ہو کر بی مریم کے پاس پہنچ جاتا اور افسردہ لہجے میں اپنی ناکامی کا تذکرہ کرتا۔ "بابا صاحب نے صبح سے چائے نہیں پی۔ میرا تو بس نہیں چلتا۔ اب تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔ معلوم نہیں آج بھی وہ کھانا کھائیں گے یا نہیں۔"

اس کی بات سن کر بی مریم بھی دم بخود رہ جاتیں۔ دیر تک سوچتی رہتیں۔ پھر کہتیں "یہ استغراق ہے۔ کم بخت بابا صاحب کے پیچھے پڑ گیا ہے۔"

وہ دونوں انتظار کرتے رہتے۔ دو دو تین تین دن گزر جاتے اور بے خودی ٹس سے مس نہ ہوتی۔ کھانا یا چائے تو ایک طرف پانی کا ایک قطرہ بھی ہونٹوں تک نہ جاتا۔ دور دراز سفر کر کے آئے ہوئے مسافر پھونس کے مہمان خانے میں پڑے رہتے۔ گرمی، سردی، بارش کی شدت برداشت کرتے لیکن بغیر حاضری کے جانے کا نام نہ لیتے۔

حیات خاں کا خیال تھا کہ بابا صاحب کے استغراق کی کشش لوگوں کے ذہن میں انبساط کی لہر پیدا کرتی رہتی ہے۔ اس کو یقینِ کامل تھا کہ لوگوں کی خوشی کا ایک مرکز ضرور ہوتا ہے جو اُن کی اپنی ذات سے باہر خدا سے یا کسی شخصیت سے وابستگی رکھتا ہے۔ دراصل حیات خاں عقیدت مندی کی مسرتوں سے بہت زیادہ مانوس تھا۔ اسی باعث وہ بطور خاص اس تاثر کو تلاش کرتا اور لوگوں کے انتظار سے لطف اندوز ہوتا۔

حالت استغراق میں بابا تاج الدینؒ کی آنکھیں کچھ کھلی رہتی تھیں۔ حیات خاں اکثر ان کی نیم باز آنکھیں عجیب ذوق و شوق سے دیکھتا۔ ایک مرتبہ استغراق کی حالت میں حیات خاں نے مجھے اشارے سے بلایا۔ کہنے لگا اس پتہ کو دیکھو۔ میری نظر یکے بعد دیگرے کئی پتوں پر گئی۔ جس پتہ کی طرف اس نے اشارہ کیا تھا اس میں سے ٹانگیں، چہرے کے خدوخال اور چھوٹی چھوٹی آنکھیں رونما ہو رہی تھیں۔ یہ پتہ تقریباً تین انچ لمبا ہوگا۔ یکایک میری نظر برابر والے پتے پر جا پڑی۔ اس میں بھی ویسا ہی تغیر ہو رہا تھا۔ یہ دونوں پتے ایک دوسرے کے پیچھے چلنے لگے۔ ایک دو منٹ میں ان کی ہیئت اتنی بدلی کہ پتوں کی کوئی شباہت ان میں باقی نہیں تھی۔ وہ درخت کے تنے کی طرف چلے جا رہے تھے اور بابا تاج الدینؒ کی نیم وا آنکھیں ان پر جمی ہوئی تھیں۔ اس واقعہ کے بعد حیات خاں کئی دن تک ایک بھجن گنگناتا رہا جو اس بول سے شروع ہوتا ہے

پربھو دھن دھن قدرت تیری

کئی مہینے بعد میں نے بابا سے اس کی علمی توجیہ کی معلوم کی۔ فرمایا "ارے تو سمجھ بھی سکے گا۔ دیکھ یہ درخت ہے اس کے اندر زندگی کے سارے ٹکڑے جڑے ہوئے ہیں۔ دیکھنا، سننا، جنبش کرنا۔ یہ سب ٹکڑے اس درخت کے اندر جھانکتے سے نظر آتے ہیں۔ اس کے ہر پتے میں سچ مچ کا منہ ہے، سچ مچ کے ہاتھ پیر ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ جب تک پتہ دوسری زندگی سے ٹکراتا نہیں، اس کے اندر عام لوگ یہ نیرنگ دیکھ نہیں سکتے۔ اور جب کوئی پتہ میری زندگی سے گلے ملتا ہے تو جیتا جاگتا کیڑا بن جاتا ہے۔ یہ سمجھ کہ آنکھ سے بھی گلے ملتے ہیں۔ یاد رکھ زندگی بنتی ہے اور زندگی زندگی میں سماتی ہے۔

دیوار میں سے گزر جانا:

جس زمانہ میں والد صاحب دلی ٹول ٹیکس میں محرر تھے، ہمارے مکان کی ایک دیوار بارش میں گر گئی۔ مکان در ابر سات میں مرمت کرانے کے لئے تیار نہ تھا۔ بابا تاج الدین نے والد کو خط لکھا کہ بھابھی اور بیٹے سعیدہ کو ناگپور پہنچا دو۔ ان ایام میں وہ راجہ راگھوجی راؤ کے پاس مقیم تھے۔ ہم لوگوں کے لئے شطرنج پورہ میں رہائش کا انتظام کیا گیا۔ روزانہ یا دوسرے دن بابا اپنی گھوڑا گاڑی میں یہاں تشریف لاتے۔ گھنٹوں ہمارے ساتھ گزارتے۔ اکثر اردگرد کی آبادی کے لوگوں کا آنا جانا بھی لگا رہتا۔ بابا ان کے معاملات پر غور کرنے میں اتنا دماغ صرف کر دیتے کہ حواس معاؤف ہو جاتے۔ ایک بار بے خیالی میں دروازے کی طرف جانے کے بجائے وہ دیوار کے پیچھے کھڑی ہوئی

گھوڑا گاڑی کی طرف بڑھتے چلے گئے اور ٹھوس دیوار سے گزر کر سڑک پر نکل گئے۔ غالباً یہ کرامت ان سے غیر ارادی طور پر صادر ہوئی۔ لوگوں کے معاملات سے متعلق سوچنے میں ان کا ذہن تجلّی الٰہی میں تحلیل ہو گیا اور جسم ذہن کے تابع ہونے کی وجہ سے ثقل کی منزل سے آگے نکل گیا۔

تنکے بیڑی بن جاتے تھے:

لڑکپن میں انہیں پڑھنے کے علاوہ کوئی شوق نہیں تھا۔ بیڑی پینا کب سے شروع کیا اسکے بارے میں صحیح بات معلوم نہیں ہو سکی۔ البتہ شکر درا کے قیام میں بیڑی اور چائے کا شوق بہت بڑھ گیا تھا۔ بعض اوقات بیڑیاں ختم ہو جاتیں تو بیڑی کا پڑا گرا کوئی ٹکڑا اٹھا لیا کرتے تھے۔ کسی وقت بیڑی کا ٹوٹا بھی نہیں ملتا تھا۔ پھر اُن کی طبیعت خرقِ عادات کی طرف مائل ہو جاتی۔ تو تنکا ہاتھ میں آجاتا اس کی سلگا لیتے۔ لوگوں نے بارہا دیکھا کہ تنکے نے بیڑی کی شکل اختیار کر لی اور بیڑی کی طرح دھوں دینے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب ۱۰

شعر و شاعری

یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ ایسے لوگ جن کی قوتِ فکر و مشاہدہ تیز ہوتی ہیں اور جو حساس طبیعت رکھتے ہیں، اکثر شاعرانہ صلاحیت کے مالک ہوتے ہیں۔ شاعری ایک ایسا ذریعہ ہے جس کے وسیلے سے طویل مشکل اور گہرے مضامین کو مختصر طور پر اور آسانی سے دوسرے تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ جس بات کے لئے نثری صورت میں کئی صفحات درکار ہوتے ہیں۔ شعری پیکر میں اسے چند مصرعوں میں ڈھالا جا سکتا ہے۔

اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کے حالات پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں اکثر حضرات شاعرانہ انداز بیان پر قدرت رکھتے تھے۔ تاریخ تصوف ایسے کتنے ہی عظیم المرتبت لوگوں کی امین ہے جو عرفان و آگہی کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کے شاعر بھی تھے۔

حضرت بابا تاج الدین اولیاءؒ نہ صرف شاعرانہ ذوق کے حامل تھے بلکہ شعر گوئی کی صلاحیت بدرجہ کمال ان کے اندر موجود تھی لیکن۔ بے نیازی اور مزاج میں استغراق کی وجہ سے آپ مروجہ طرزوں میں شاعری کی طرف رجوع نہیں ہوئے۔ جو کچھ بابا صاحب نے کہا اس کو نہ خود ضبطِ تحریر میں لائے اور نہ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ کوئی اور سنکر لکھ لیتا۔ صرف چند اشعار ریکارڈ میں آسکے۔ باقی کلام لاعلمی اور عدم دستیابی کے اندھیروں

میں گم ہو کر رہ گیا۔ بابا تاج الدین داس ملوکا تخلص کرتے تھے جس کے معنی خدا کا بندہ ہے۔

ذیل میں بابا تاج الدینؒ کے اشعار، ان کے معنی اور مختصر تشریح پیش کر رہے ہیں تاکہ قارئین کو اشعار کی مغویت سمجھنے میں مدد مل سکے۔

(۱)

اجگر کریں نہ چاکری پنچھی کریں نہ کام
داس ملوکا کہہ گئے، سب کے داتا رام

ترجمہ: چوپائے ملازمت نہیں کرتے اور پرندے کاروبار نہیں کرتے پھر بھی رزق ان کو ملتا رہتا ہے۔ داس ملوکا (بابا تاج الدین) کا کہنا ہے کہ دوستو! سب کی پرورش کرنے والا اللہ ہے۔

(۲)

مانُس ہے سب آتما، مانُس ہے سب راکھ
بندی کی گنتی نہیں بندی میں سو لاکھ

ترجمہ: آدمی سب کا سب روشنی (آتما) ہے اور سب کا سب مٹی (راکھ) بھی ہے۔ صفر اگرچہ شمار نہیں کیا جاتا لیکن صفر ہی سے گنتی کی قیمت لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے۔

تشریح: باباصاحب آدمی کو محض مٹی (گوشت پوست) سے مرکب تسلیم نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ آدمی بظاہر مٹی معلوم ہوتا ہے

لیکن مٹی کے ساتھ ساتھ وہ روشنیوں کا مجموعہ بھی ہے۔ ایسا مجموعہ جو کائنات کی ترجمانی کرتا ہے۔ مایوس کن بات یہ ہے کہ انسان نے خود کو مظاہر (مٹی) کا پابند بنا رکھا ہے۔ اگر انسان اپنی ذات (روشنی) سے واقف ہو جائے تو مظاہر (اسپیس) کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے اور وہ اپنی مرضی اور اختیار سے مظاہر میں تبدیلی کر سکتا ہے۔ یہی عرفانِ نفس ہے۔

(۳)

دام ودُر کی رِیس میں رام کرت گن گائے
پربھو کی سوگند ہے دُشٹ اسے مل جائے

ترجمہ: ظاہر پرست خدا کی تسبیح اور عبادت کا دکھاوا کرتا ہے۔ اللہ کی قسم! اس کو اللہ تو نہیں مل سکتا، البتہ شیطان اسے مل جاتا ہے۔

(۴)

تن پاپی، من کابرہ، اُجیارے سب کیس
مند کا دیپک نہیں، رشیوں کا سا بھیس

ترجمہ: جسم گناہوں سے آلودہ ہے، دل سیاہ ہو چکا ہے مگر ان چیزوں کو سفید بالوں نے چھپا رکھا ہے۔ محض اللہ والوں کا حلیہ بنا لینے سے یا ان کے جیسا لباس پہن لینے سے دل کے اندر روشنی نہیں ہو سکتی۔


یا محمد ﷺ
یا علی علیہ السلام
شہنشاہ ہفت اقلیم تاج الاولیاء حضرت بابا سید محمد تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید محمد باباتاج الدین رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار تصاویر









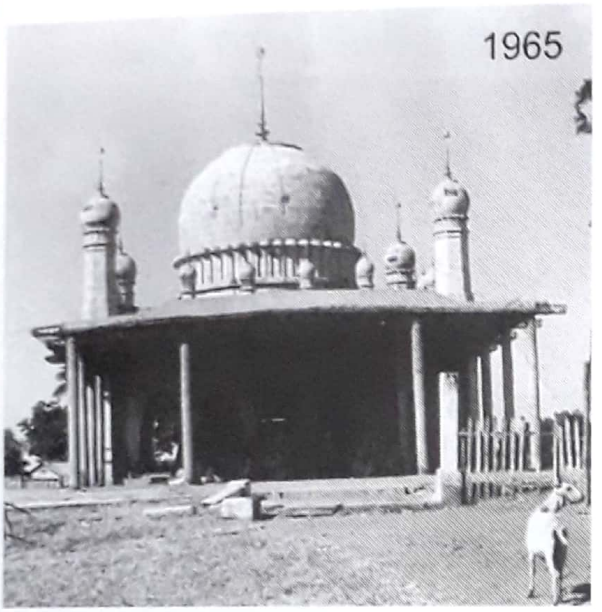




حضرت سید محمد باباتاج الدین رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ مقدس

(بتاریخ: ۲۷ محرم الحرام ۱۳۴۴ھ بروز منگل، بوقت صبح ۸ بجے نماز جنازہ ادا کی گئی)

حضرت سید محمد بابا تاج الدین رحمۃ اللہ علیہ کے روضۂ پاک کی یادگار تصاویر





1945



